OPEN ACCESS
Al-Idrak
Research Journal
ISSN (Online): 2789-3227
ISSN (Print): 2789-3235
www.alidrakresearchjournal.com

پاکستان میں صنفی تشدد کی نوعیتیں اور ان کا سدباب: اسلامی تناظر میں تنقیدی جائزہ

Types of Gender-Based Violence in Pakistan and its Eradication: A Critical Study in an Islamic Perspective

☆ **Muhammad Zia Ul Haq**
Director General, Islamic Research Institute, International Islamic University, Islamabad., Pakistan.

☆☆ **Malaeka Umer khan**
Research Associate, Islamic Research Institute, International Islamic University, Islamabad, Pakistan.

Citation:
Zia Ul Haq, Muhammad and Malaeka Umer khan "Types of Gender-Based Violence in Pakistan and its Eradication: A Critical Study in an Islamic Perspective." Al-Idrāk Research Journal, 4, no.1, Jan-Jun (2024): 102− 139.

ABSTRACT

Gender based violence marginalizes its victims and survivors. They may feel helpless and inferior. Gender-based crimes have various forms and types. From honour killing to harassment, a long list of various types of GBV is found around the globe. Some of the types are universal and others are regional or country-specific. The effective provision of gender equality is central to safeguarding from this violence. Protection of human rights, upholding the rule of law and true democracy are among the strong factors for the provision of gender justice and protection from gender-based violence. Gender equality and gender justice cannot be achieved without equality in visibility, empowerment and opportunities. Gender equality also implies equal access of all genders to the resources of the state. An effective institutional framework for protection, preservation and provision of justice for the victims of GBV is a symbol of a civilized society. A society can eradicate this problem only after the adoption process of social civilization. All these issues are critically evaluated in this study.To better facilitate investigation on various types of GBV in Pakistan, the study discussed issues such as honour killing and other honour-related crimes, problems in reporting honour crimes, domestic violence, sexual harassment, rape and sexual assault, acid burnings, digital violence or virtual violence and the relationship between health and GBV. The study also proposed framework for eradication and reduction of these types of GBV in Pakistan in the perspective of Islam. The role of Islamic teaching in eradication of female infanticide and state of eunuchs in Islamic society is also part of study.

Keywords: Gender based Violence, Types of GBV, process of civilization, honour killing, domestic violence, sexual harassment, rape and sexual assault

تعارف

پاکستان میں صنفی تشدد ایک معاشرتی، اقتصادی، سیاسی اور قانونی چیلنج بن گیا ہے۔ اس خطرناک چیلنج کا تقاضا یہ ہے کہ حکومتی ادارے، سول سوسائٹی، پالیسی ساز اور باقی اسٹیک ہولڈرز اس کو سنجیدہ لیں۔ خواتین اور لڑکیوں کو قتل کر دیا جاتا ہے۔ ان کو جلا دیا جاتا ہے جب تک وہ مر نہ جائیں پتھروں سے مارا جاتا ہے یا پھر ان کی زبردستی شادیاں کر دی جاتی ہیں۔ اس کی کئی صورتیں اور قسمیں ہیں۔ سیکورٹی کونسل کی متعدد قرار دادوں میں اسے بین الاقوامی برادریوں کے امن کے لیے خطرہ سمجھا جاتا ہے۔[1]

صنفی تشدد کی کچھ صورتیں بین الاقوامی ہیں۔ بعض صورتیں علاقائی ہیں جبکہ بعض انواع مقامی ہیں۔ تشدد ایک ایسا طرز عمل ہے جو معاشرے میں موجود خوشی کو ختم کر دیتا ہے یہ تشدد نہ تو کسی خاص معاشرے سے مخصوص ہے اور نہ ہی کسی عمر سے، تشدد ہر علاقے اور ہر عمر کے لوگوں میں ہو سکتا ہے۔ جوان، درمیانی عمر اور بزرگ لوگ بھی صنفی تشدد کے عمل میں شریک ہوتے ہیں۔ صنفی تشدد کی تمام صورتوں میں اس کا شکار زیادہ تر عورتیں اور بچے ہوتے ہیں۔ کئی بین الاقوامی دستاویزات میں تشدد کی متعدد صورتوں کی نشان دہی کی گئی ہے۔ استنبول کنونشن کے مطابق تشدد کی درج ذیل اقسام ہیں:

> (نفسیاتی تشدد، جسمانی تشدد، جبری شادیاں، جنسی تشدد بہ شمول اجتماعی زیادتی، خواتین کی تناسلی تخریب، جبری اسقاط حمل، جبری بانجھ کاری، جنسی ہراسانی، جرائم کی توجیہ کی ناقابل قبول حوصلہ افزائی اور مدد، بشمول ان جرائم کا ارتکاب جو نام نہاد غیرت کے نام پر ہوتے ہیں۔)[2]

تشدد کی ان مختلف صورتوں میں جسمانی تشدد، نفسیاتی تشدد، زبانی تشدد، جنسی تشدد اور اقتصادی تشدد پاکستان میں موجود ہیں۔ گھریلو تشدد اور ہراسمنٹ تشدد کی گھمبیر صورتیں ہیں جو پاکستان میں بکثرت پائی جاتی ہیں۔ روزانہ کی بنیاد پر سینکڑوں عورتیں، خواتین اور بچیوں کو اس تشدد کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ انھیں زخمی کیا جاتا ہے، قتل کر دیا جاتا ہے، ان پر تیزاب پھینکا جاتا ہے اور روزانہ کی بنیاد پر ہراسگی کا سامنا کرنے والی عورتوں کی تعداد تو ہزاروں میں ہے۔ پاکستان میں صنفی تشدد کی مختلف صورتوں اور انواع کا مطالعہ اس مقالے میں کیا جا رہا ہے۔

ا۔ غیرت کے نام پر قتل اور غیرت سے متعلقہ متفرق جرائم

غیرت کے نام پر ہونے والے جرائم بدنی اور جسمانی تشدد کی بدترین مثالیں ہیں۔ اس کی کئی صورتیں اور انواع ہیں جن میں قتل کرنا، زخمی کرنا، جلانا اور ٹھوکریں مارنا وغیرہ شامل ہیں۔ جسمانی تشدد میں اسلحہ اور دوسرے ایسے آلات کا استعمال بھی

1– دیکھیے: SCR 1820, SCR 1818, and SCR 2016.

2– Council of Europe Convention on Preventing and Combating Violence against Women and Domestic Violence held in Istanbul, articles 34,35,36,37,38,39,40,41,42.

شامل ہے جن کی وجہ سے یہ تشدد زیادہ خطرناک اور شدید ہو جاتا ہے۔ پاکستان میں غیرت کے نام پر ہونے والے قتل اور دوسرے جرائم جسمانی تشدد کی خطرناک مثالیں ہیں۔ غیرت کے نام پر اتنے جرائم ہونے لگ گئے ہیں کہ ان کو بیان کرنے کے لیے Honour Crimes کی مخصوص اصطلاح وضع ہوگئی ہے۔ غیرت کے نام پر ہونے والے جرائم دن بدن بڑھ رہے ہیں اور ان کی وجہ سے سماجی امن تباہ ہو کر رہ گیا ہے۔ عموماً جب کوئی لڑکی اپنی مرضی سے شادی کرلیتی ہے تو اس کو عزت کے خلاف جرم سمجھا جاتا ہے اور افراد خانہ یہ محسوس کرتے ہیں کہ ان کی لڑکی نے اپنی مرضی کرکے خاندان کی عزت کو تار تار کر دیا ہے۔ اس عزت کی بحالی اسی صورت ممکن ہے جب ایسی لڑکی کو خود ہی سزا دی جائے۔ ایسا کوئی بھی عمل جو خاندان کی عزت کو خراب کرنے کا باعث ہو غیرت کے نام پر ہونے والے جرائم کا سبب بن جاتا ہے۔[(1)]

۱.۱–عزت کی پائمالی کو عورت سے منسوب کرنا

روایتی معاشرے عزت کے معاملے میں بہت حساس ہوتے ہیں۔ ان کا خیال ہوتا ہے کہ عورت نے کچھ کیا ہے یا اس کے ساتھ کچھ ہوا ہے تو ان کی عزت پامال ہوگئی اور یہ ان کے لیے قابل شرم مقام ہے۔ ان معاشروں میں یہ سمجھا جاتا ہے کہ خاندان کی عزت اس وقت ختم ہوتی ہے جب خاندان کی کوئی عورت اپنی مرضی سے کسی سے شادی کرلیتی ہے یا کسی کے ساتھ بھاگ جاتی ہے۔ عزت کی یہ پامالی خاندان کے لیے بے غیرتی کے ٹیکے کا باعث بن جاتی ہے۔ اس طرح خاندان کی جو بے عزتی ہوتی ہے اس کا ازالہ اس صورت میں ممکن ہے جب خاندان کی عزت پامال کرنے والی کو ختم کر دیا جائے۔ یہی وہ سوچ ہے جو عزت کے نام پر گھناؤنے جرائم کا سبب بن جاتی ہے۔ یہ سمجھا جاتا ہے کہ خاندان کی خواتین کی پاک دامنی بہت اہم چیز ہے۔ اس لیے اگر وہ پاک دامنی کے منافی کوئی حرکت کریں تو یہ عمل خاندان کی عزت و وقار کو تار تار کرنے کا باعث بنتا ہے۔ اس قسم کے سماج میں عورت کی عفت خاندان کی سب سے قیمتی میراث (Symbolic Capital) ہے۔ ہر صورت میں اس کی حفاظت کی جانی چاہیے۔[(2)] یہ بھی سمجھا جاتا ہے خاندان کی عزت جن خواتین کی وجہ سے پامال ہو جائے انھیں الگ کر دینا یا طلاق دے دینا کافی نہیں بلکہ انھیں جسمانی سزا دینا یا دنیا سے ختم کرنا ضروری ہے۔[(3)] غیرت کے نام پر قتل Honour Killing ایک ایسی غیر واضح اصطلاح ہے جسے عزت کے نام پر کیے گئے قتل کو بیان کرنے کے لیے استعمال کیا جاتا ہے۔[(4)] اس کی تعریف درج ذیل الفاظ میں کی جاتی ہے:

1– Lynn Welchman and Sara Hossain (editors), *Honour': Crimes, Paradigms and Violence Against Women* (Zed Books, 2005), 06., http://gen.lib.rus.ec/book/index.php?md5=7ec7840d124f6da942b6c5129c577ff2.

2– Are Knudsen, "License to Kill: Honour Killings in Pakistan," *CMI Working Paper* WP 2004: 1 (2004): 04.

3– Richard Tapper and Nancy Tapper, "Marriage, Honour and Responsibility: Islamic and Local Models in the Mediterranean and the Middle East," *Cambridge Anthropology* 16, no. 2 (1992): 3–21.

4– Knudsen, "License to Kill," 01.

(غیرت کے نام پر قتل، تشدد کی رواجی شکل ہے جس کے مرتکبین مرد اور اکثر، اگرچہ ہمیشہ نہیں، عورتیں لقمہ بنتی ہیں۔)[1]

غیرت کے نام پر قتل کے مرتکبین ایسے ذاتی مجرم ہیں جو اپنے جرائم کی تاویل نام نہاد غیرت کے نام پر کرتے ہیں اور اس جرم کے لیے وہ استدلال معاشرے میں موجود روایتی رسوم و رواج سے کرتے ہیں۔ اس قسم کے جرم کا ارتکاب کرنے والے مظلوم خاتون کے قریبی افراد ہی ہوتے ہیں جن میں والد، بھائی، شوہر یا دوسرے قریبی رشتہ دار ہوتے ہیں۔

۲.۱- غیرت کے نام پر قبائلی انصاف

یہ جرم "روایتی انصاف" (Traditional Justice) یا پھر "قبائلی انصاف" (Tribal Justice) بھی کہلاتا ہے عزت کے نام پر قتل غیر قانونی فعل اور جرم ہے، اس کا ارتکاب کرنے والے دراصل ذاتی انتقام لے رہے ہوتے ہیں۔ غیرت کے نام پر قتل ذاتی انتقام کی گھناؤنی صورت ہے۔ ایسے افعال کو مہذب معاشروں میں کسی صورت میں برداشت نہیں کیا جانا چاہیے۔ غیرت سے متعلقہ جرائم زیادہ تر خواتین کے خلاف کیے جاتے ہیں یا پھر عمومی طور پر اس کا مرکز و محور خواتین ہی ہوتی ہیں اس لیے انھیں صنفی تشدد کے ضمن میں ہی شامل کیا جاتا ہے۔ خاندان کے اندر یہ سمجھا جاتا ہے کہ عفت و عصمت سے متعلقہ امور میں مردوں کو یہ اختیار ہے کہ وہ نگرانی کے فرائض سرانجام دیں اس لیے یہ جرائم اکثر خاندان کے افراد ہی سرانجام دیتے ہیں۔ نگرانی کے اختیار کا ناجائز فائدہ اٹھاتے ہوئے مرد غیرت و عفت اور سماجی، ثقافتی اور خاندانی روایات کے تحفظ کے نام پر اس قبیح جرم کا ارتکاب کرتے ہیں۔ عمومی طور پر یہ سمجھا جاتا ہے کہ عفت و عصمت عورت کی جسمانی ساخت میں پنہاں ہے، اس لیے مرد رشتہ دار یہ سمجھتے ہیں کہ عورت کی عصمت کی نگرانی ان کی ذمہ داری ہے۔ ان کے خیال میں کسی عورت کے غیر اخلاقی تعلقات نہ صرف خاندان کی غیرت کے خلاف ہیں بلکہ وہ معاشرتی اقدار کے بھی منافی ہیں۔ اس قسم کے تعلقات سے معاشرے کا سماجی ڈھانچہ بھی خطرے میں پڑ جاتا ہے۔ اس لیے شدت سے ایسے رویے روکنے چاہییں جن سے معاشرے کی اخلاقی اقدار کو خطرہ ہے چاہے اس کے لیے خواتین اور خاص کردہ جو قریبی رشتہ دار ہیں انھیں قتل ہی کیوں نہ کرنا پڑے۔ غیرت سے متعلق جرائم کا شکار زیادہ تر خواتین ہی ہوتی ہیں۔ زیادہ تر واقعات میں یہ بھی نہیں دیکھا جاتا کہ واقعی عورت قصوروار بھی ہے یا نہیں بس عورت پر الزام لگا دینا ہی کافی سمجھا جاتا ہے اور اس الزام کی حقیقت کو جانے بغیر ہی غیرت کے نام پر عورتوں کے خلاف جرائم کا ارتکاب کیا جاتا ہے۔ غیرت کے الزامات اکثر اوقات حقائق پر مبنی نہیں ہوتے بلکہ یہ صرف شک کی بنیاد پر یہ سمجھتے ہوئے لگائے جاتے ہیں کہ

1- C. Maris and S. Saharso, "Honour Killing: A Reflection on Gender, Culture and Violence," *Netherlands Journal of Social Sciences,* 2001, https://www.semanticscholar.org/paper/Honour-killing%3A-a-reflection-on-gender%2C-culture-and-Maris-Saharso/9f258d61cee05d9cf59aec990bc711fb926bb45c.

اس سے غیرت پر حرف آتا ہے۔ غیر قانونی اور غیر اخلاقی تعلقات کی افواہیں بھی یہ جانے بغیر ہی کہ کیا واقعی ایسا ہوا بھی ہے یا نہیں اس قسم کے جرائم کا سبب بن جاتی ہیں۔[1]

۱.۳- صرف الزام پر ہی سزا

غیرت سے متعلقہ جرائم میں الزام کی حقیقت کو جاننا ضروری نہیں سمجھا جاتا بس یہ تصور کیا جاتا ہے کہ چوں کہ الزام لگنے سے ہی غیرت پر کلنک کا ٹیکہ لگ گیا ہے اس لیے اس کے تدارک کے لیے ملزمہ کو مار دینا یا نقصان پہنچانا ضروری ہے۔ اس قسم کے جرائم کا محرک یہ احساس ہے کہ عورت نے خاندان کی عزت کو خاک میں ملا دیا ہے اس لیے اس کا تدارک عورت کے خون سے ہی ہو سکتا ہے، اس لیے اسے قتل کر دیا جاتا ہے۔ غیرت کے نام پر قتل کے واقعات میں عورت کو اپنی صفائی یا اپنی طرف سے حقائق بیان کرنے کا کوئی موقع دیا جاتا اور نہ ہی وہ اپنے خلاف جھوٹی بنائی گئی کہانی کا رد کر سکتی ہیں۔ خاندان کے مردوں کو خاندان کی عزت کی بحالی کے لیے اس قسم کے جرائم کے ارتکاب پر اکسایا جاتا ہے۔

پاکستان کے بعض علاقوں میں غیرت کے نام پر قتل کو جرم سمجھا ہی نہیں جاتا۔ وہاں یہ تصور ہے کہ یہ جرم فیملی کی عزت کی بحالی کا طریقہ ہے اور اس قسم کے عمل کے ذریعے غیرت کی وہ پامالی جو عورت کی وجہ سے ہوتی ہے اس کا تدراک کیا جا سکتا ہے۔ بدقسمتی سے یہ بھی سمجھا جاتا ہے کہ یہ جرائم ان لوگوں کی سزا ہیں جو سماجی روایات کی مخالفت کرتے ہیں۔ غیرت کے نام پر قتل کو مردانگی کا اظہار بھی سمجھا جاتا ہے۔ ایسا شخص جو اس قسم کے جرم میں شامل نہ ہونا چاہے یا اس کا انکار کرے یا اکسانے والوں کی باتوں میں نہ آئے تو اسے "بے غیرت" اور "سماجی نامرد" سمجھا جاتا ہے، اس قسم کے جرم پر اکسانے کے لیے لوگوں کو بے غیرتی اور نامردی کے طعنے بھی دیے جاتے ہیں اور اس طرح لوگوں کو غیرت کے نام پر جرائم کرنے کے لیے شہہ دی جاتی ہے۔

Honour Killing اور غیرت کے نام پر دوسرے جرائم کی پاکستان میں گہری جڑیں ہیں۔ اس جرم کو نہ صرف غیرت کے اظہار اور عفت و عصمت کی حفاظت کا وسیلہ بنا دیا گیا ہے بلکہ افسوس ناک بات یہ ہے کہ اس جرم کے ارتکاب کے لیے قریبی رشتہ داروں کو باقاعدہ تیار کیا جاتا ہے۔ KPK میں پیغور (Taunt) اور پنجاب میں طعنہ کی اصطلاحات کو غیرت کے نام پر ہونے والے جرائم میں اکسانے کے لیے استعمال کیا جاتا ہے۔[2]

۱.۴- غیرت کے نام پر جرائم کے اسباب

1_ Muhammad Azam Chaudhary, "Interpreting Honour Crimes in Pakistan: The Case Studies of the Pukhtun and the Punjabi Societies," *Anthropos* 109, no. 1 (2014): 204.

2_ Chaudhary, 204.

بد قسمتی سے ہر عمر اور ہر علاقے سے تعلق رکھنے والی شادی شدہ اور غیر شادی عورتوں کو کئی اسباب کی بنا پر اس جرم کا نشانہ بنایا جاتا ہے۔ تشدد کے لیے اکسانا، جاہلی رسوم و رواج، قبائلی طرز فکر، مذہبی تعلیمات کی غلط تشریحات اور جرگہ کا نظام وہ چند اسباب ہیں جن کی وجہ سے یہ جرم پاکستانی سماج میں بڑھ رہا ہے۔ غیرت سے متعلقہ جرائم کے اسباب میں روایتی دشمنیاں اور قرضہ وغیرہ کے معاملات بھی شامل ہیں۔ عمومی طور پر ان قبیح جرائم کے مرتکبین کو باقاعدہ اکسایا جاتا ہے اور کئی مواقع پر یہ بھی دیکھا گیا ہے کہ ان جرائم تک نوبت طویل جھگڑوں کی وجہ سے پہنچتی ہے۔ یہ جرم قبائلی طرز حیات اور پدرانہ ماحول میں زیادہ ہیں۔ غیرت سے متعلقہ فرسودہ روایات خواتین کو مال و اسباب سمجھنے کی ذہنیت سے مل کر خواتین کے لیے بہت سنجیدہ مسائل پیدا کر دیتی ہیں جن کا نتیجہ غیرت سے متعلقہ جرائم کی صورت میں نکلتا ہے۔ اس جرم کے مرتکبین کے لیے سزا کا نظام ناقص اور پیچیدہ ہے اور عملی طور پر مجرموں کو اس جرم کی کم ہی سزا ملتی ہے۔ غیرت سے متعلقہ فرسودہ روایات ایسے جرائم کو سماجی سطح پر قابل قبول بنانے میں بھی اہم کردار ادا کرتی ہیں۔

غیرت کے نام پر قتل کرنے والے یا دوسرے جرائم کا ارتکاب کرنے والوں کو سزا سے استثنیٰ مل جاتا ہے۔ اس استثنائی سلوک کی وجہ سے ایسے جرائم کا ارتکاب کرنے والوں کی تعداد بڑھتی جا رہی ہے۔ قریبی رشتہ دار گواہی دیتے ہیں اور نہ ہی مجرم کو سزا دلوانے میں کوئی مدد کرتے ہیں۔ بد قسمتی سے پاکستان کا قانونی نظام غیرت سے متعلقہ جرائم میں انصاف فراہم کرنے میں کامیاب نہیں ہے۔[1] ریاستی پالیسیاں اور سرکاری ادارے ابھی تک اس قسم کے جرائم کے متاثرین کو انصاف فراہم کرنے اور ان کی مدد کرنے سے قاصر ہیں۔ اس ضمن میں ایک رپورٹ کے مطابق:

> ('خود' اور 'غیر' کی حدود کو اکثر تشدد کے مظاہر کے ذریعے تحفظ دیا جاتا ہے جس کی قانونی گنجائش نہیں ہے اور اس کو دوسرے برداشت کرتے اور اس میں حصہ لیتے ہیں۔ "غیرت" اور جذبے کے جرائم، محض جرائم سے سوا ہو جاتے ہیں۔ یہ وہ تشدد ہے جو معاشروں کے اندر جنسیت کو مزید منظم کرتا ہے، جسے سماج کے اندر اپنی ثقافتی سرحدوں کو محفوظ بنانے اور اس کے اصول کی خلاف ورزی کے خلاف ضمانت دینے کے ایک ذریعہ کے طور پر "جائز" کی حیثیت سے دیکھا جاتا ہے۔)[2]

۲- غیرت کے نام پر ہونے والے قتل اور جرائم کے پاکستانی خاندانی نظام پر اثرات

پاکستان میں ایک مضبوط خاندانی نظام ہے یہ نظام افراد خانہ کے تحفظ اور ضروریات کو پورا کرنے میں اہم کردار ادا کرتا ہے۔ افراد خانہ نہ صرف مل کر پورے خاندان کی ضروریات کو پورا کرتے ہیں بلکہ اگر کسی فرد خانہ کو اضافی مدد کی ضرورت ہو تو وہ

1_ Maris and Saharso, “Honour Killing,” 39.

2_ Pratiksha Baxi, Shirin M. Rai, and Shaheen Sardar Ali, “Legacies of Common Law: ‘Crimes of Honour’ in India and Pakistan,” *Third World Quarterly* 27, no. 7 (2006): 1250.

بھی فراہم کرتے ہیں چاہے اس میں نفسیاتی مدد کی ضرورت ہو یا مالی مدد کی ضرورت ہو۔ پاکستان کے تعلیمی اداروں میں پڑھنے والے بچوں کے تمام اخراجات والدین یا افراد خانہ ہی اٹھاتے ہیں۔ بہت کم طالب علم ایسے ہیں جو اپنے تعلیمی اخراجات کو پورا کرنے کے لیے خود کماتے ہیں۔ پاکستانی خاندانی نظام مدد رسائی کے ایک مؤثر نظام کے طور پر کام کرتا ہے۔ عمومی طور پر مرد اس خاندانی نظام کے لیے مالی وسائل کا انتظام کرتے ہیں۔ اسی لیے خاندانی نظام کے سربراہ بھی مرد ہی ہوتے ہیں اگرچہ گھر کی خواتین بھی اس نظام میں مؤثر کردار ادا کرتی ہیں۔[1]

۲.۱-مردانہ خاندانی میں خواتین کے ساتھ روا رکھا جانے والا سلوک

مردانہ بالادستی کی وجہ سے اس خاندانی نظام میں خواتین اپنے تعلیمی، پیشہ ورانہ اور ازدواجی معاملات میں فیصلے کرتے ہوئے اپنے خاندان کے مردوں پر انحصار کرتی ہیں۔ اس خاندانی نظام میں عفت و عصمت اور اخلاق سے متعلق امور کو بھی عورتوں سے منسوب کیا جاتا ہے۔ اسی وجہ سے عورت کے رویے کو خاندان کی عزت سے منسوب کر دیا گیا ہے۔ گھر کے مرد یا لڑکے اگر کوئی غلط کام کریں یا اپنی مرضی سے شادی کریں شراب پئیں۔ منشیات کا استعمال کریں یا کوئی اور غیر اخلاقی کام بھی کریں تو نہ تو اس سے خاندان کی غیرت کو فرق پڑتا ہے اور نہ ہی ایسے مردوں کے خلاف خاندان میں باز پرس کی جاتی ہے لیکن اگر کوئی لڑکی خاندان کے مردوں کی مرضی کے خلاف شادی کرنا چاہے تو اس پر بد اخلاقی کا الزام لگ جاتا ہے ۔اس الزام کے جھوٹ ہونے کے باوجود اس لڑکی یا عورت کو غیرت کے نام پر قتل یا تشدد کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔

گھروں کے اندر خواتین کے خلاف امتیازی سلوک اور خاص طور پر غیرت کے نام سے ہونے والے جرائم نے خاندانی نظام کی یک جہتی اور اتحاد کو خطرے میں ڈال دیا ہے۔ معاشرتی راہنماؤں کو اس امر پر غور کرنا چاہیے کہ جس خاندان میں کسی عورت یا خاندان کے کسی دوسرے فرد کے خلاف تشدد ہو یا کوئی فرد غیرت کے نام پر قتل کر دیا گیا ہو تو اس خاندان کا کیا انجام ہو گا۔ خاندان کتنی بڑی مشکل میں گرفتار ہو گا اور اصل میں خاندان کی عزت تو تب تار تار ہو گی جب خاندان میں غیرت کے نام پر تشدد ہو گا۔ غیرت کے نام پر ہونے والے جرائم خاندان کے ادارے کے لیے سب سے بڑا چیلنج ہیں۔ غیرت کے نام سے ہونے والے جرائم کے خاندانی نظام پر اثرات کا جائزہ لیتے ہوئے ایسے جرائم کا ذکر مناسب ہو گا جو افراد خانہ کے خلاف کیے گئے اور جن کا سبب خاندانی غیرت تھی۔

۲.۲-خاندانی تشدد کی کچھ مشہور مثالیں

حافظ آباد میں ستمبر ۲۰۱۸ء میں ایک باپ نے اپنی بیٹی، اس کے شوہر اور اس کے بچوں کو قتل کر دیا۔ اس جرم کی تفصیل یہ ہے کہ ایک لڑکی نے اپنے خاندان کی رضامندی کے بغیر ۴ر سال پہلے شادی کر لی۔ یہ شادی لڑکی کے باپ کو پسند نہ تھی

1– https://culturalatlas.sbs.com.au/pakistani-culture/pakistani-culture-family accessed on September 9,2023.

اس لیے باپ کو جب موقع ملا تو اس نے اپنی بیٹی اور اس کے خاندان کو ہی ختم کر دیا۔[1] اب اس پر غور کرنے کی ضرورت ہے کہ اس جرم نے نہ صرف لڑکی کے سارے خاندان کو ختم کر دیا بلکہ باپ جو کہ اس جرم کا مرتکب ہے اس کے خاندان میں کتنی بڑی تباہی ہوئی ہو گی۔ خاندانوں کی غیرت کو پامال کرنے کے ذمہ دار وہ ہیں جو غیرت کے نام پر قتل کرتے ہیں نہ کہ وہ جو نام نہاد غیرت کے نام پر قتل ہوتے ہیں۔ قتل ہونے والے مظلوم ہیں اور اگر دنیا میں انھیں انصاف نہ ملا تو آخرت میں اللہ تعالیٰ ان کو ضرور انصاف دیں گے۔

۳۔ غیرت کے نام پر ہونے والے جرائم کی رپورٹنگ

۳.۱۔ غیرت کے نام پر ہونے والے جرائم کی رپورٹنگ نہ ہونے کے اسباب

سماج میں ہونے والے دوسرے جرائم کے برعکس غیرت سے متعلقہ جرائم کا سب سے بڑا چیلنج یہ ہے کہ ان میں سے اکثر جرائم پولیس میں رپورٹ ہی نہیں کیے جاتے۔ خاندان کے افراد ہی یہ جرم کرتے ہیں اور خاندان کے دوسرے افراد ہی اس جرم کو چھپانے میں مدد کرتے ہیں۔ اگر جرم کسی طرح پولیس میں رپورٹ ہو جائے تو گواہی نہیں دی جاتی، یا اس کو ضائع کر دیا جاتا ہے۔ کسی فرد خانہ کو اگر کبھی سزا ہو جائے تو مجرم کو قریبی رشتہ دار ہی معاف کر دیتے ہیں۔ غیرت کے نام پر ہونے والے جرائم میں دیت کے قوانین کا غلط استعمال بھی کیا جاتا ہے۔ بعض اوقات غیرت کے نام پر ہونے والے قتل کو خودکشی قرار دے کر مظلوم کے ساتھ ایک اور زیادتی کر دی جاتی ہے۔

۲۵ / ستمبر ۲۰۲۳ء کو یہ رپورٹ کیا گیا کہ ایک والد نے اپنی دو بیٹیوں کو غیرت کے نام پر قتل کر دیا۔ والد نے اپنے بیٹیوں پر لڑکوں کے ساتھ غیر اخلاقی تعلقات کا الزام لگایا اور اس الزام کو اپنے لیے قابل شرم سمجھتے ہوئے اپنی دونوں بیٹیوں کو صفائی کا موقع دیے بغیر غیرت کے نام پر قتل کر دیا۔[2]

اگست ۲۰۱۷ء میں کراچی میں ۱۵/ سالہ لڑکی بخت جان اور ۱۷/ سالہ لڑکے غنی الرحمن کو بجلی کے کرنٹ لگا لگا کر مار دیا گیا۔ ان دونوں پر الزام تھا کہ انھوں نے غیرت سے متعلق روایات کی خلاف ورزی کی تھی۔ اس الزام کے نتیجے میں غیرت کے نام پر ان دونوں کو بجلی کا کرنٹ لگا کر مار دیا گیا۔ لاہور سے ایک رپورٹ کے مطابق شوہر نے محض اس لیے اپنی بیوی کو قتل کر دیا کہ وہ ایک ملازمت کر رہی تھی اور اسے جاری رکھنا چاہتی تھی۔ شوہر نے اپنی بیوی کی ملازمت کو اپنی غیرت کے منافی سمجھتے ہوئے اسے مار دیا۔ ایک اور خبر کے مطابق ۱۳/ سالہ لڑکی نغمہ کو جرگہ نے اس جرم میں قتل کرنے کی سزا دی کہ وہ کسی دوسرے شخص کے ساتھ چلی گئی تھی۔ جرگہ کا فیصلہ جب میڈیا میں رپورٹ ہو گیا تو پھر قومی سلامتی کے اداروں نے اس بچی کو بچا لیا۔ ملتان کی مشہور فیشن ماڈل قندیل بلوچ جب بہت مشہور ہو گئی تو اس کے بھائی کو غیرت کے نام پر اکسایا گیا

---

1. https://www.dawn.com/news/1432634, retrieved on September 10,2023.
2. Kanwal, “Honor Killing,” 39.

جس نے لوگوں کے اکسانے پر قندیل کو غیرت کے نام پر قتل کر دیا۔ اسی طرح ایک لڑکی شمسہ کو اس کے چچا نے غیرت کے نام پتھر مار مار کر مار دیا۔ اس لڑکی کا جرم صرف اتنا تھا کہ اس نے کسی شادی کے موقع پر ڈانس میں حصہ لیا۔ یہ بات بھی غور کرنے کی ہے کہ پاکستان کے اکثر علاقوں میں شادی بیاہ کے موقع پر ڈانس خوشی کی علامت کے طور پر کیا جاتا ہے۔ ۷/اپریل ۲۰۱۸ء کو ایک نوجوان نے اپنی بہن کو قتل کر دیا جو ۸/مہینے کی حاملہ تھی۔ اس کا جرم صرف یہ تھا کہ اس نے اپنی مرضی سے شادی کر لی تھی۔[1]

۲.۳-غیرت کے نام پر جرائم کی شکار خواتین ہی کیوں

غیرت سے متعلقہ جرائم میں خواتین کو خاص طور پر نشانہ بنایا جاتا ہے۔ تحقیق سے یہ بات سامنے آئی ہے کہ بعض اوقات نوجوان خواتین اور لڑکیوں کو تاوان لینے یا جنسی اغراض کے لیے بھی اغوا کر لیا جاتا ہے۔ اسی طرح اگر کوئی لڑکی یا اس کا خاندان شادی سے انکار کر دے تو اسے زبردستی شادی کرنے کے لیے اغوا بھی کر لیا جاتا ہے۔ اسی طرح بعض اوقات بااثر افراد نوجوان خواتین کو زبردستی اغوا کر لیتے ہیں بلکہ ان کے رشتہ داروں کو قتل بھی کر دیتے ہیں یا کروا دیتے ہیں تاکہ ان کے جرم کا بدلہ لینے والا کوئی نہ ہو۔ بعض واقعات ایسے بھی ہوتے ہیں کہ جب کوئی عورت اپنی مرضی سے بغیر کسی دباؤ کے شادی کرنا چاہتی ہے یا کسی کو پسند کرتی ہے اور اس سے شادی کرنا چاہتی ہے تو اغوا کر لی جاتی ہے۔ اپنی مرضی سے یا اپنی پسند کی شادی کے حق کے استعمال کو معاشرے کے غیرت کے فرسودہ رسم و رواج کی خلاف ورزی سمجھتے ہوئے ایسا کرنے کی خواہش مند لڑکیوں کو بھی ان کے قریبی رشتہ دار قتل کر دیتے ہیں۔ بعض حالتوں میں اپنی مرضی کی شادی کی خواہش کا نتیجہ موت کی صورت میں سامنے آتا ہے۔ اس طرح کا تشدد خواتین کو سبق اور زبردستی اخلاق سکھانے کے لیے بھی استعمال کیا جاتا ہے۔ روایتی سوچ میں مرضی کی شادی Love Marriage اتنا بڑا جرم ہے کہ اس کے مرتکب کو غیرت کے نام پر قتل کرنا ضروری ہو جاتا ہے۔ کئی لوگ تو اپنی مرضی سے شادی کرنے والی قریبی رشتہ دار لڑکیوں کو عدالتوں میں بھی قتل کر دیتے ہیں یا اغوا کر کے لے جاتے ہیں۔[2]

صنفی تشدد کی درج بالا صورت حال ان چند واقعات میں سے ہیں جو روزانہ میڈیا میں رپورٹ ہوتی ہیں۔ ڈسٹرکٹ کورٹ ساہیوال کے اندر سے ۱۳/مسلح افراد نے مل کر مرضی سے شادی کرنے والے جوڑے کو اغوا کر لیا، اغوا کے اس جرم میں سرغنہ مجرم لڑکی کا اپنا سگا بھائی تھا؛ کیونکہ وہ اس پسند کی شادی کا مخالف تھا۔[3] بدقسمتی سے پاکستان میں غیرت کے نام پر ہونے والے جرائم کم نہیں ہو رہے بلکہ بڑھ رہے ہیں۔ صنفی تشدد ایک ایسا آلہ بن گیا ہے جس سے نہ صرف خواتین

1_ Kanwal, 39.

2_ Wassan, Channa, and Shah, "Violence against Women in Pakistan: Causes, Consequences and the Way Forward," 57.

3_ Wassan, Channa, and Shah, 57.

کو نقصان پہنچایا جاتا ہے بلکہ ان کی توہین بھی کی جاتی ہے اور ان کی خود مختاری کو چھیننے کی کوشش بھی کی جاتی ہے۔

ریاستی اقدامات اور سول سوسائٹی کی کوشش کے باوجود صنفی تشدد بڑھتا جارہا ہے اور غیرت کے نام پر قتل کی وارداتوں میں اضافہ ہوتا جارہا ہے۔ بدقسمتی سے ہمارے معاشرے کا پدرانہ پن اور مردوں کا تسلط سماج کی انسانی ساخت کو نقصان پہنچارہا ہے۔ معاشرہ مجموعی طور پر خواتین کے خلاف ہونے والے گھریلو تشدد اور غیرت کے نام پر ہونے والے قتل کو نہ صرف برداشت کررہا ہے بلکہ اس رجحان کو روکنے کے لیے سماجی بیداری بھی کم ہورہی ہے۔[1]

۳.۳- غیرت کے نام پر ہونے والے جرائم کو روکنے کی اجتماعی کوششیں

اس حوالے سے حوصلہ افزا بات یہ ہے کہ سول سوسائٹی کی کوششوں کی وجہ سے ۲۰۰۴ء سے پہلے کی تنگ نظر تعبیرات سے ہٹ کر عدالتوں نے جرأت مندانہ فیصلے کیے ہیں۔ اس عدالتی فعالتی کا ایک اثر یہ ہوا کہ ریاست نے بھی اس حوالے سے جدید اور مؤثر قانون سازی کی ہے۔ اس قانون سازی کے ذریعے پاکستان نے نہ صرف بین الاقوامی ذمہ داریوں کو پورا کرنے کی کوشش کی بلکہ قومی سماجی ذمہ داریوں کی طرف بھی توجہ کی۔ اس حوالے سے جو اہم قانون سازی ہوئی اس میں Amendment in Criminal Law 2004 اور Amendment in Criminal Law 2006 اور 2016 Anti Honor Killing Bill اہم مثالیں ہیں۔[2] پاکستان کو غیرت کے نام پر بڑھتے ہوئے جرائم روکنے کے لیے مزید عملی اقدامات کرنے کی ضرورت ہے تاکہ غیرت کے نام پر ہونے والی قتل وغارت اور جرائم کو روکا جاسکے۔ قانون سازی میں کمزوریاں جذباتی ہیجان انگیز رویے اور قانونی طریقہ کار کی ناقص کارکردگی غیرت کے نام پر قتل میں اضافے کے اسباب ہیں۔ ہمیں بھی دوسری قوموں سے یہ سیکھنا چاہیے کہ انھوں نے اس طرح کے جرائم پر قابو پایا اور کس طرح سماجی رویوں کو تبدیل کیا گیا۔[3]

مزید برآں ریاست کے لیے بھی یہ ضروری ہے کہ وہ ایسی قانون سازی کرے جو ظالمانہ اور امتیازی رویوں پر مبنی سماجی روایات کے ماتحت نہ ہو۔ اس ضمن میں ہونے والی قانون سازی کو قومی اور مقامی ضروریات اور بین الاقوامی روایات کو مد نظر رکھ کر کیا جانا چاہیے۔[4]

۴- گھریلو تشدد

1– Wassan, Channa, and Shah, 49.

2– Kanwal, "Honor Killing," 42.

3– Norbert Elias, *The Civilizing Process: Sociogenetic and Psychogenetic Investigations*, revised (Wiley-Blackwell, 2000), http://gen.lib.rus.ec/book/index.php?md5=274904716d02679d0a9955a0afe328ed.

4– Knudsen, "License to Kill," 24.

۱.۴- پاکستان میں گھریلو تشدد کی نوعیتیں

غیرت کے نام پر ہونے والے گھناؤنے جرائم کے ساتھ صنفی تشدد کی ایک دردناک صورت گھریلو تشدد ہے۔ یہ تشدد بھی پاکستان کے سماج کے لیے ایک کلنک کا ٹیکہ ہے۔ پوری دنیا میں صنفی زیادتیوں میں گھریلو تشدد سب سے زیادہ خطرناک ہے۔ گھریلو تشدد کا ارتکاب زیادہ تر شوہر یا مرد ساتھی کی طرف سے ہوتا ہے۔ بعض اوقات دوسرے فیملی ممبرز خاص طور پر سسرالی، رشتہ دار بھی اس جرم میں شامل ہوتے ہیں۔ گھریلو تشدد میں جنسی و جسمانی تشدد اور اقتصادی استحصال بھی شامل ہے۔ نفسیاتی اذیت دینا بھی گھریلو تشدد کی ہی ایک صورت ہے اس صورت میں خواتین کو برے القابات سے نوازنا، ان پر چیخنا چلانا، یا انھیں برے الفاظ سے پکارنا اور ان پر جھوٹے الزامات لگانا نفسیاتی اور ذہنی تشدد ہے۔ خواتین کو دھمکیاں دینا انھیں خوفزدہ کرنا یا ان کو نظر انداز کرنا ذہنی تشدد کی مختلف صورتیں ہیں۔ خواتین کو ان کی صلاحیت اور تعلیم کے مطابق ملازمت نہ کرنے دینا اور انھیں ان کی زندگی گزارنے کے لیے ضروری اخراجات نہ دینا اقتصادی استحصال کی مثالیں ہیں۔ بعض شوہر اپنی بیویوں کے ذریعے سے ان کے والدین سے مال کا بھی تقاضا کرتے ہیں۔ شادی کے موقع پر جہیز کا مطالبہ بھی اقتصادی استحصال کی مثالیں ہیں۔[1] الغرض پاکستان میں خواتین کو گھریلو تشدد کی مختلف انواع اور قسموں کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ یہ ایک ایسا معاشرتی چیلنج ہے جس کے اثرات خواتین کے لیے خطرناک ہیں۔ اس کی تعریف کرتے ہوئے کہا جاتا ہے:

> (ثقافت، مذہبی عقائد، قانون، دوستی، رشتہ داری، اور پڑوسی گروہوں کے اصولوں کے ذریعے منظور اور کنٹرول کیا گیا۔)[2]

۲.۴- گھریلو تشدد کا شکار

گھریلو تشدد کا شکار زیادہ تر عورتیں ہی ہوتی ہیں اکثر و بیشتر اس تشدد کو رپورٹ نہیں کیا جاتا۔ کئی گھروں میں اس کو برا ہی نہیں سمجھا جاتا۔ وہ خواتین جن کو روزانہ اس تشدد کا سامنا کرنا پڑتا ہے وہ اس کو زندگی کا حصہ یا اپنا مقدر سمجھ کر برداشت کرتی رہتی ہیں۔ ان کا خیال یہ ہوتا ہے کہ اگر اس کی شکایت کردی تو گھر برباد ہو جائے گا۔ شوہر طلاق دے دے گا۔ بچوں کا کیا بنے گا۔ سماجی اور سیاسی راہنماؤں کے علاوہ سرکاری اداروں میں بھی گھریلو تشدد کو ذاتی گھریلو مسئلہ سمجھ کر نظر انداز کر دیا جاتا ہے۔ پاکستان میں زیادہ تر آبادی اسلام کی پیروکار ہے، اسلام دین بھی ہے اور سماجی ضابطہ حیات بھی۔ اسلامی

1- "Data Collection Survey on Gender Based Violence in the Islamic Republic of Pakistan," Final Report (Japan In https://genderdata.worldbank.org/data-stories/overview-of-gender-based-violence/Japan International Cooperation Agency (JICA) Kokusai Kogyo Co., Ltd., March 2020).

2- Judith G. Greenberg, Martha Minow, and Dorothy E. Roberts, *Women and the Law* (Foundation Press, 1998), 151.

تعلیمات میں گھریلو تشدد کی ممانعت ہے لیکن اس کے باوجود گھریلو تشدد کے مرتکبین کے خلاف نہ تو کارروائی کی جاتی ہے اور نہ ہی اسے روکنے کی کوشش کی جاتی ہے۔ گھریلو تشدد کی دینی ممانعت کے باوجود اس تشدد کے کرنے والوں کو کوئی سزا نہیں دی جاتی۔(1)

۳.۴۔ پاکستان میں گھریلو تشدد کی صورتحال

پاکستان میں گھریلو تشدد کی گھمبیر صورت حال کا اندازہ ان اعداد و شمار سے بھی ہوتا ہے جو اس تشدد کے حوالے سے سامنے آئے ہیں ان اعداد و شمار کے مطابق ۷۰ فیصد سے ۹۰ فیصد شادی شدہ خواتین کو گھریلو تشدد کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ ان خواتین کو جسمانی اور جنسی تشدد کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ پاکستان کے پدرانہ معاشرے میں مرد یہ سمجھتے ہیں کہ انھیں اپنی عورتوں کے چال چلن کو درست کرنے کا اختیار حاصل ہے، چاہے اس کے لیے جسمانی تشدد ہی کیوں نہ کرنا پڑے۔ بد قسمتی سے اس سوچ کو معاشرے میں نارمل رویے کے طور پر قبول کیا جاتا ہے۔ حالانکہ یہ رویہ نہ صرف دینی تعلیمات کے خلاف ہے بلکہ جسمانی، نفسیاتی اور جنسی تشدد کی ایک ایسی صورت ہے جس کا سامنا پاکستان میں خواتین کو کرنا پڑتا ہے۔ اسی طرح بعض اوقات خواتین کو شوہر کے علاوہ سسرالی رشتہ داروں کی طرف سے طعنوں، برے القابات اور دھمکیوں کا بھی سامنا کرنا پڑتا ہے۔ بعض اوقات یہ رویہ سسرال کی طرف سے جسمانی تشدد میں بھی تبدیل ہو جاتا ہے۔ چھوٹے چھوٹے گھریلو مسائل اور جہیز سے متعلق تنازعات بھی گھروں کے اندر سسرالی تشدد کا باعث بن جاتے ہیں۔ پاکستان کے گھریلو تشدد کے ثقافتی عوامل بھی ہیں۔ پاکستان کے پدرانہ معاشرے میں عورتوں کو کمزور اور بے بس سمجھا جاتا ہے اس لیے انھیں صنفی تشدد کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ مرد یہ سمجھتے ہیں کہ ان کی خواتین کو ہر صورت میں ان کا تابعدار رہنا چاہیے اور کسی بھی قسم کی نافرمانی کی صورت میں انھیں تشدد کرنے کا حق مل جاتا ہے۔(2) صوبہ پنجاب کی گھریلو تشدد کے حوالے سے ایک مستند رپورٹ میں بیان کیا گیا ہے کہ:

> (اس سماجی برائی کے بنیادی اسباب کو جانچتے ہوئے پنجاب کے باخبر حضرات کا یہ ماننا ہے کہ تعلیم و تربیت کی کمی، خصوصاً دیہاتی علاقوں میں، دینی اساسات سے جہالت اور مقامی رسم ورواج کی تقلید غیرت کے نام پر جرائم کا سبب بنتے ہیں۔ اس کے ساتھ وہ معاشرے اور خاندان جو معاشی مشکلات کا شکار ہیں، انھیں دیکھا گیا ہے کہ وہ غیرت کے جرائم کی مدد کرتے یا ان کی طرف مائل نظر آتے ہیں۔)(3)

1_ Manar Waheed, "Domestic Violence in Pakistan: The Tension Between Intervention & Sovereign Autonomy in Human Rights Law," *Brooklyn Journal of International Law* 29, no. 02 (2004): 942.

2_ Hadi, "Patriarchy and Gender-Based Violence in Pakistan," 209.

3_ Gauhar, "Honour Crimes in Pakistan," 68.

پاکستان میں گھریلو تشدد میں سب سے زیادہ تشدد وہ ہے جو شوہر یا پارٹنر کی طرف سے بیوی پر کیا جاتا ہے۔ اس تشدد کو Intimate Partner Violence کہا جاتا ہے۔

IPV کے حوالے سے World Book Data نے رپورٹ کیا ہے کہ:

(پندرہ سال یا اس سے زائد کی چار میں سے ایک سے زائد خاتون پندرہ برس سے اپنے شریک کے ہاتھوں تشدد کا نشانہ بنتی ہے۔ اس تناسب کو 2018 کے عالمی آبادی کے شماریاتی جائزے پر منطبق کرتے ہوئے عالمی ادارۂ صحت نے یہ حساب لگایا ہے کہ 641 ملین خواتین متاثر ہوئی ہیں۔ اور صرف گذشتہ 12 ماہ کے دوران میں تقریباً 245 ملین (پندرہ برس یا اس سے اوپر 10 فی صد خواتین) جنسی تشدد کا شکار ہوئی ہیں۔)[1]

Georgetown Institute's Women Peace and Security Index 2021-22 کے مطابق گھریلو تشدد کے حوالے سے پاکستان 170 / میں سے 167 / نمبر پر ہے۔ گویا کہ پاکستان گھریلوں تشدد میں دنیا کے بد ترین 5 ممالک میں ہے۔ اس Index کے مطابق پاکستان میں گھریلو تشدد 16 فیصد ہے جبکہ معاشرے کی طرف سے حفاظت 42 فیصد ہے۔ 2021ء میں نور مقدم کو اس کے دوست نے بے دردی سے قتل کر دیا۔ قاتل اور 27 سالہ مقتولہ نے پاکستانی سماج میں گھریلو تشدد کے قبیح مظاہر کی نشاندہی کی۔ اس قسم کے واقعات سے پاکستان میں عورتوں سے زہریلی نفرت انگیزی (Toxic Misogany) کا بھی پتہ چلتا ہے۔

ان تحقیقاتی رپورٹس سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ ریاست کی طرف سے گھریلو تشدد کی روک تھام کے حوالے سے مناسب حمایت میسر نہیں ہے۔ اس حوالے سے بین الاقوامی ذمہ داریوں کی طرف مزید توجہ دینے کی بھی ضرورت ہے۔ بڑھتے ہوئے گھریلو تشدد کو روکنے کے لیے پنجاب اسمبلی نے Punjab Protection of women Against Violence Act, 2016[2] پاس کیا ہے۔ اس قانون کے ذریعے حکومت پنجاب نے وہ فریم ورک مہیا کر دیا ہے جس سے خواتین کو تشدد سے بچایا بھی جا سکتا ہے اور ان کو مدد بھی فراہم کی جا سکتی ہے۔ اس قانون کو وفاقی شریعت کورٹ میں چیلنج کیا گیا تھا۔[3] لیکن وفاقی شریعت کورٹ نے نومبر 29، 2022ء میں ایک فیصلے کے ذریعے اس قانون کو اسلامی تعلیمات کے مطابق قرار دیا۔[4]

1_ https://genderdata.worldbank.org/data-stories/overview-of-gender-based-violence/, accessed on July 30, 2023.

2_ "The Punjab Protection of Women against Violence Act 2016," Pub. L. No. Act XVI of 2016 (2016).

3_ Rida Tahir, "Pakistan's Federal Shariat Court Affirms That the 'Punjab Protection of Women against Violence Act 2016' Aligns with Islamic Injunctions," *Oxford Human Rights Hub* (blog), February 2, 2023, https://ohrh.law.ox.ac.uk/pakistans-federal-shariat-court-affirms-that-the-punjab-protection-of-women-against-violence-act-2016-aligns-with-islamic-injunctions/.

4_ https://ohrh.law.ox.ac.uk/pakistans-federal-shariat-court-affirms-that-the-punjab-protection-of-women-against-violence-act-2016-aligns-with-islamic-injunctions/ retrieved

5- جنسی ہراسگی

۵.۱- جنس ہراسگی کا مفہوم

ہراسگی کی سب سے خطرناک صورت جنسی ہراسگی ہے۔ اس کا مطلب ہے:

(تبصرے، اشارات، جنسی نوعیت کے جان بوجھ کر اور بار بار جسمانی روابط)[1]

اس کی ایک دوسری تعریف اس طرح کی جاتی ہے۔

(ناپسندیدہ جنسی خدمات کی طلب یا جنسی نوعیت کا جسمانی یا زبانی سلوک جو کسی کام کرنے کی، عوامی یا کسی اور جگہ ہو۔)[2]

پاکستانی قانون میں جنسی ہراسگی کی تعریف اس طرح ہے:

(کوئی بھی ناپسندیدہ جنسی مطالبہ، کوئی اور زبانی یا مکتوب پیغام رسانی یا جسمانی سلوک جو جنسی نوعیت کا ہو، جنسی لحاظ سے توہین آمیز رویے جو کام کی کارکردگی میں مداخلت کا باعث ہوں یا خوف ناک اور جارحانہ کام کا ماحول بنانا یا شکایت کرنے والے کو ایسی درخواست کے انکار پر سزا دینے کی کوشش کرنا یا ملازمت کے لیے اس طرح کی شرط رکھنا۔)[3]

پوری دنیا کی خواتین کی طرح پاکستان کی خواتین کو بھی جنسی ہراسگی کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ جنسی ہراسگی وہ روڈ بلاک (Road Block) ہے جس کی وجہ سے پاکستانی خواتین سماجی اور اقتصادی ترقی میں اپنا کردار نہیں ادا کر پاتیں۔ سماج کی ساخت اور ثقافتی وجوہات کی بناء پر پاکستان کے ہر علاقے میں ہر وقت خواتین کے لیے جنسی ہراسگی کا خطرہ موجود رہتا ہے۔ گلی محلے، شاپنگ سینٹر اور تعلیمی اداروں میں خواتین محفوظ ہیں اور نہ ہی گھروں میں۔ اب تو صورت حال یہ ہو گئی ہے کہ کئی ڈاکو بھی گھروں میں ڈاکہ ڈالنے کے ساتھ عورتوں کی عفت و عصمت پر بھی ڈاکہ ڈال دیتے ہیں۔ ثقافتی طور پر مردوں کو یہ سکھایا جاتا ہے کہ انھیں جنسی معاملات میں نہ صرف بالا دست ہو کر رہنا ہے بلکہ پہل بھی کرنا ہے۔ اس سوچ کی وجہ سے مرد ہر جگہ پر خاتون کو ہراساں کرتے رہتے ہیں۔ اس سوچ سے بے ہودگی اور خواتین کے عدم احترام کا کلچر بھی پھیل گیا ہے۔

---

on August 17, 2023.

1_ Hadi, “Patriarchy and Gender-Based Violence in Pakistan,” 208.

2_ http://stopharassmentnow.org/women-sexual-harassment-laws-pakistan/, retrieved on August 14, 2023.

3_ The Protection against Harassment of women at Workplace Act, 2010, Section 2(h).

۵.۲- جنسی ہراسگی کے اسباب

مردانہ معاشرے میں مردوں کی بالادستی ہے اور اسی وجہ سے ثقافتی اقدار میں بھی مردوں کو برتری حاصل ہے۔ اس برتری کو استعمال کرتے ہوئے مرد سماجی اور اقتصادی تعامل کو جنسی ہراسگی کی شکل دے دیتے ہیں۔ پاکستان میں پیشہ ورانہ کام کی جگہیں جیسے دفاتر، سکول، کالج، یونیورسٹیاں اور ہسپتال کا ڈھانچہ بھی مردوں کے لیے جنسی ہراسگی کو آسان بنادیتا ہے۔ تمام اہم پبلک پرائیویٹ جگہوں پر حتی کہ تعلیمی اداروں میں بھی مرد طاقتور حیثیت میں ہیں، اس حیثیت کا فائدہ اٹھاتے ہوئے جنسی ہراسگی کی جاتی ہے۔ تعلیمی اداروں یا سرکاری دفاتر میں وہ مرد جو اعلیٰ عہدوں پر متمکن ہیں عورتوں کو جنسی طور پر ہراساں کرسکتے ہیں۔ حالات اس حد تک خراب ہوگئے ہیں کہ تعلیمی اداروں کے گرلز ہاسٹلز اور بچیوں کے لیے مخصوص ٹرانسپورٹ میں بھی ڈرائیورز، کنڈیکٹرز اور گارڈ تک جنسی طور پر بچیوں کو ہراساں کرتے ہیں۔ بچیاں اور خواتین گھروں میں بھی اس تشدد سے محفوظ نہیں ہیں۔ وہ مرد جو بالاتر عہدوں پر متعین ہیں سمجھتے ہیں کہ خواتین ان کی جنسی پیش قدمی کے خطرناک نتائج کے خوف کی وجہ سے مزاحمت نہیں کرسکتیں۔ جنسی ہراسگی پاکستان میں کافی عام ہے۔ تقریباً تمام جگہوں پر خواتین کو مردوں کی ایسی نظروں کا سامنا کرنا پڑتا ہے جس میں انہیں جنسی ہدف کے طور پر دیکھا جاتا ہے۔ خواتین کو گلی، محلے، برادری، ٹرانسپورٹ، شاپنگ سینٹرز، ووکیشنل سینٹرز اور دوسری سرکاری اور غیر سرکاری جگہوں پر ہراسگی کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔[1]

۵.۳- پاکستان میں جنسی ہراسگی کے متاثرین

پاکستان میں صرف خواتین ہی جنسی ہراسگی کا شکار نہیں بلکہ بچوں، نوجوان لڑکوں اور بعض اوقات مردوں کو بھی اس ہراسگی کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ جن علاقوں میں خواتین گھر سے باہر نہیں یا کم نکلتی ہیں اور سماجی امور میں بہت کم شریک ہوتی ہیں، ان علاقوں میں بچوں اور نوجوانوں کو بھی جنسی ہراسگی کا شکار ہونا پڑتا ہے۔ بدقسمتی سے خواتین کو بعض اوقات ان لوگوں سے بھی ہراسگی کا سامنا کرنا پڑتا تھا جو فطری طور پر ان کے محافظ ہیں۔ خواتین کی ہراسگی کے حوالے سے پاکستان کی ریاست نے کافی اہم اقدامات کیے ہیں۔ اس حوالے سے ہونے والی قانون سازی بہت اہمیت رکھتی ہے۔ اس قانون سازی میں Protetion Against Harassment of Women at Workplace Act. 2010. اور Prevention of Electronic Crimes Act. 2016 بہت اہم ہیں۔

اس قانون سازی نے خواتین کے ہراسگی کے معاملات میں ریاستی ردعمل کو کافی سنجیدہ کیا۔ اس قانون سازی کے علاوہ PPC 1860 کی بعض دفعات جیسے 294, 354-A، 366-A، 496-C، 509 اور 510 اہم ہیں۔ مجرم جنسی جرائم اس لیے کرتے ہیں کہ انہیں سزا کا کوئی خوف نہیں ہوتا یا ان کا یہ خیال ہوتا ہے کہ وہ پکڑے بھی گئے تو جلد ہی چھوٹ جائیں گے۔ اگر ان

1_ Hadi, "Patriarchy and Gender-Based Violence in Pakistan," 208.

کو یہ پتہ ہو کہ انہیں سزا ملے گی اور ان کی غلط کاری کو تحفظ نہیں ملے گا تو یقیناً یہ جرائم کم ہو جائیں گے۔[1]

۵.۴-خواتین کا ریپ اور ان پر جنسی حملے

مردانہ سماج میں جنسی حملے اور ریپ انتقام کے آلہ کار کے طور پر استعمال ہوتے ہیں۔ پاکستانی قانون میں ریپ کی وضاحت درج ذیل الفاظ میں کی گئی ہے۔

(عصمت دری اس وقت ہوتی ہے جب کوئی مرد کسی عورت کے ساتھ ایسی حالت میں جنسی تعلق رکھتا ہے جو درج ذیل پانچ حالات میں سے کسی کے تحت آتا ہے: 1-اس کی مرضی کے خلاف؛ 2-اس کی رضامندی کے بغیر؛ 3-اس کی رضامندی سے، جب اسے موت یا تکلیف کے خوف میں ڈال کر رضامندی حاصل کی گئی ہو۔ 4-اس کی رضامندی سے جب مرد کو معلوم ہو کہ اس کی اس سے شادی نہیں ہوئی ہے اور یہ رضامندی اس لیے دی گئی ہے کہ اسے یقین ہے کہ وہ شخص کوئی اور شخص ہے جس سے وہ شادی شدہ ہے یا خود کو یہ مانتی ہے کہ وہ شادی شدہ ہے۔ یا 5-اس کی رضامندی کے ساتھ یا اس کے بغیر جب اس کی عمر سولہ سال سے کم ہو۔)[2]

قانونی دستاویزات کے علاوہ محققین نے بھی ریپ کی متعدد تعریفیں کی ہیں۔ Brown Miller نے ریپ کی تعریف کرتے ہوئے کہا ہے:

(اگر کوئی عورت کسی مخصوص مرد کے ساتھ جنسی تعلق قائم نہ کرنے کا انتخاب کرتی ہے اور مرد اس کی مرضی کے خلاف آگے بڑھنے کا انتخاب کرتا ہے تو یہ عصمت دری کا مجرمانہ فعل ہے۔)[3]

پاکستان میں بڑے بڑے ذمہ دار اور سنجیدہ لوگوں کے ہاں یہ تصور پایا جاتا ہے ریپ اس وقت ہوتا ہے جب خواتین مردوں کو اپنے لباس، حلیے یا گفتگو کے ذریعے اشتعال دلاتی ہیں۔ عموماً سمجھا جاتا ہے کہ اس کا سبب عورت ہے جو کہ اپنی حدود سے باہر نکل کر غیروں کے اندر جا کر مردوں کے جنسی اشتعال کا سبب بنتی ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ ہمارے سماج میں خواتین کو کمزور، ماتحت اور محکوم سمجھ کر مردان پر اپنا تسلط برقرار رکھنا چاہتے ہیں۔ یہ تسلط خواتین کے خلاف جرائم کا سبب بنتا ہے۔

1_ http://stopharassmentnow.org/women-sexual-harassment-laws-pakistan/, retrieved on August 14, 2023.

2_ "Pakistan Penal Code (Act XLV of 1860)," section 375., accessed June 29, 2023, https://pakistani.org/pakistan/legislation/1860/actXLVof1860.html.

3_ Susan Brownmiller, *Against Our Will: Men, Women, and Rape* (Fawcett Columbine, 1993), 18., http://gen.lib.rus.ec/book/index.php?md5=a3c094070ebb38d78877eb079cbe482d.

جنسی تشدد کے پیچھے جنس کی خواہش سے زیادہ طاقت کے استعمال کی خواہش ہوتی ہے یا طاقت کا مظاہرہ کرنا مقصود ہوتا ہے۔[1] تاریخی مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ ریپ یا اس کی دھمکی دینا زیادہ تر مردوں کی طرف سے خواتین پر اپنے تسلط کے اظہار کا ذریعہ ہے۔[2] جنسی ہراسگی کی طرح ریپ کی تفہیم بھی مردانہ سماجی ساخت میں کی جاتی ہے۔ اس حوالے سے ہمارے سماج میں درج ذیل غلط Perceptions موجود ہیں:

(جیسا کہ 1-خواتین کو زبردستی جنسی تعلقات قائم کرنے سے لطف اندوز ہونا؛ 2-وہ عصمت دری کی مستحق ہیں؛ اور 3-مردوں کو جنسی طور پر جارحانہ ہونا چاہیے) عصمت دری کی ثقافت کو فروغ دینے میں اپنا حصہ ڈالیں۔)[3]

پاکستانی سماج میں ریپ جیسے مسائل اس سماجی تشکیل کا نتیجہ ہے جس میں ساری طاقت مردوں کے پاس ہے۔ مردوں اور عورتوں کے درمیان فرق ہے اور مردوں نے فیصلہ سازی کے میدان میں عورتوں کی جگہ بھی گھیری ہوئی ہے۔ پاکستان میں خواتین کی اکثریت کو ریپ کی دھمکی نہ صرف خوفزدہ کرتی ہے بلکہ ان کی زندگیوں کو مشکل اور تکلیف دہ بنا دیتی ہے۔ اس خوف کی وجہ سے خواتین آزادی کے ساتھ سماجی اور اقتصادی ترقی میں اپنا مؤثر کردار ادا کرنے سے قاصر ہیں۔ ریپ کا خوف خواتین کی خود اعتمادی اور مردوں پر انحصار کو بڑھا دیتا ہے۔ اسی انحصار کا فائدہ اٹھاتے ہوئے بعض اوقات مرد عورتوں کے خلاف ریپ جیسے سنگین جرائم کے مرتکب ہو جاتے ہیں۔[4] پرامن حالات کے برعکس ایمرجنسی کی صورتوں جیسے جنگ، زلزلہ، سیلاب اور تصادم میں ریپ کا خطرہ کئی گنا بڑھ جاتا ہے۔ کم عمر خواتین اور نوجوان لڑکیاں اس جرم کا خاص شکار بنتی ہیں۔[5]

ریپ اور ریپ کی دھمکی کے واقعات وقت کے ساتھ ساتھ کم ہونے کی بجائے بڑھتے جا رہے ہیں اس ضمن میں تازہ ترین اعداد و شمار حسب ذیل ہیں۔

(سرکاری اعداد و شمار کے مطابق، پاکستان میں روزانہ کم از کم 11 عصمت دری کے واقعات رپورٹ ہوتے ہیں اور گذشتہ چھ سالوں میں ملک بھر میں پولیس کو ریپ کے 22,000 سے زیادہ واقعات رپورٹ ہوئے ہیں۔ تاہم، صرف 77 ملزمان کو سزا سنائی گئی ہے جو کل تعداد کا 0.3 فیصد ہے۔ انھوں نے مزید انکشاف کیا کہ 2015ء سے اب تک بدسلوکی کے کل 22,037 مقدمات درج کیے گئے،

1_ Hadi, "Patriarchy and Gender-Based Violence in Pakistan," 208.
2_ Brownmiller, *Against Our Will*.
3_ Hadi, "Patriarchy and Gender-Based Violence in Pakistan," 209.
4_ Susan Groffin, "Rape: The All-American Crime.," *Ramparts* 10, no. 3 (1971): 1–8.
5_ Miriam George, "Migration Traumatic Experiences and Refugee Distress: Implications for Social Work Practice," *Clinical Social Work Journal* 40, no. 4 (December 1, 2012): 429–37, https://doi.org/10.1007/s10615-012-0397-y.

4,060 مقدمات عدالتوں میں زیر التوا ہیں، جن میں سے 77 مجرموں کو سزا سنائی جا چکی ہے اور صرف 18 فیصد مقدمات سزا کے مرحلے تک پہنچے ہیں۔)[1]

پاکستان میں پچھلے دس سال میں ریپ اور اس سے متعلقہ جرائم کو روکنے کے لیے مؤثر قانون سازی ہوئی ہے۔ اس قانون سازی کے باوجود ریپ اور اس سے متعلقہ جرائم کے متاثرین کے لیے مشکلات کم نہیں ہوئیں۔[2]

اس حوالے سے Protection of Women (Criminal Law Amendment Act (2006 پاس ہوا۔ اس ایکٹ کی وجہ سے ریپ اور اس سے متعلقہ جرائم کی نئے سرے سے تعریف کی گئی نیز PPC کی بہت ساری دفعات پر بھی نظر ثانی کی گئی۔ اس حوالے سے کی گئی ایک رپورٹ میں کہا گیا ہے:

(پاکستان میں خواتین سے متعلق قانون سازی کو ایک پیچیدہ سیاسی معیشت میں مخالف آوازوں کے ساتھ سمجھنا ضروری ہے۔ پاکستان کا سماجی ڈھانچہ خواتین کو مساوی شہری کے طور پر جگہ نہیں دیتا۔ بلکہ، پاکستان میں خواتین رجعت پسند ثقافتی طریقوں کے ماحول میں رہتی ہیں جنہیں اکثر مذہبی مینڈیٹ کے طور پر دیکھا جاتا ہے۔ یہ مذہبی تشریحات نہ صرف خواتین کو مردوں سے کم تر مقام پر لاتی ہیں بلکہ وہ ایسے راستے بھی بند کر دیتی ہیں جن کے ذریعے خواتین دوسری صورت میں جمود کو چیلنج کرنے کے قابل ہو سکتی ہیں۔)[3]

ریاستی اداروں اور سول سوسائٹی کے لیے ضروری ہے کہ پاکستان میں ریپ اور اس سے متعلقہ جرائم کو روکنے کے لیے اہم کردار ادا کریں تاکہ مؤثر نظام عدل کے ذریعے اس جرم کو روکا جا سکے۔

٦- تیزاب گردی (Acid Burning)

٦.١- تیزاب گردی کا مفہوم

تیزاب گردی یعنی تیزاب ڈال کر کسی کو انتقام لینے کے لیے جلا دینا Acid Burning کہلاتا ہے۔ تیزاب گردی اس جرم کو اس لیے کہا جانا چاہیے کہ اس جرم میں دہشت گردی اور صنفی تشدد دونوں میں شامل ہیں۔ اس جرم کی عمومی شکار

1_ https://www.thenews.com.pk/latest/743328-about-11-rape-cases-reported-in-pakistan-every-day-official-statistics-reveal, retrieved on August 17,2023.

2_ Sohail Akbar Warraich, “Access to Justice for Survivors of Sexual Assault” (National Commission for the Status of Women, June 2017), 07.

3_ Shehar Bano Khan and Shirin Gul, “The Criminalisation of Rape in Pakistan” (Norway: Chr. Michelsen Institute (CMI), September 2017), 21.

خواتین خاص طور پر نوجوان خواتین ہوتی ہیں۔ تاہم بعض اوقات مردوں کے خلاف بھی تیزاب گردی کی جاتی ہے۔ اس قبیح جرم کی اصطلاحی تعریف حسب ذیل ہے:

(حسد یا انتقام کی وجہ سے کسی شخص کے جسم پر تیزاب پھینکنے کا عمل تاکہ وہ زخمی ہو یا صورت بگڑ جائے۔)[1]

بد قسمتی سے تیزاب گردی کے واقعات پاکستان میں دن بدن بڑھ رہے ہیں۔ تیزاب گرانے کے حملے جان بوجھ کر کیے جاتے ہیں تاکہ مخالف کی خوبصورتی کو نقصان پہنچایا جاسکے۔ یا پھر اس کے نقوش خراب کیے جاسکیں۔ یہ جرم بدلہ لینے، انتقام لینے یا پھر اپنی جھوٹی انا کی تسکین کے لیے کیا جاتا ہے۔ اس کے اسباب کے حوالے سے کہا جاتا ہے۔ (متاثرہ شخص کو شدید جسمانی درد اور جذباتی تکلیف پہنچانا جس نے ان کی محبت، شادی یا جنسی تعلقات کی تجویز کو مسترد کر دیا ہے۔)

۲.٦- تیزاب گردی کے اسباب

بعض اوقات تیزابی حملے گھریلو جھگڑے اور جہیز وغیرہ کے تنازعات کے نتیجے کے طور پر بھی کیے جاتے ہیں۔ ان حملوں کے ممکنہ اہداف حسب ذیل ہوسکتے ہیں۔

(تیزاب گردی کا شکار ہونے والی زیادہ تر خواتین ہوتی ہیں اور حملہ آور عموماً خاندان کے افراد، سسرال والے یا مسترد شدہ عاشق ہوتے ہیں۔ اہم مخبروں نے رائے دی کہ "خراب کردار" والی خواتین عموماً اس کا شکار ہوتی ہیں۔ اہم اطلاع کنندوں کی طرف سے دی گئی وجوہات گھریلو یا زمینی تنازعات سے لے کر جہیز کے مطالبات، حسد یا انتقام تک مختلف تھیں۔ بہت سے معاملات میں، انھیں صنفی بنیاد پر تشدد کی ایک شکل کے طور پر دیکھا گیا، شاید اس لیے کہ ایک عورت نے شادی کی تجویز کو مسترد کر دیا تھا یا ماضی میں حملہ آور کے ساتھ کسی قسم کے تعلقات تھے۔)[2]

پاکستان میں تیزاب گردی کا شکار ہونے والے افراد نے اپنی ایک تنظیم بنائی ہوئی ہے جس کا نام Acid Survivors Foundation ہے۔ اس فاؤنڈیشن نے 2007ء سے 2014ء تک 10 سال میں ہونے والے حملوں کے حوالے سے رپورٹ جاری کی ہے۔ اس رپورٹ میں کہا گیا ہے کہ:

(سال 2015ء میں پاکستان میں تیزاب گردی کے 55 واقعات پیش آئے۔ اب تک صرف 17 ملزمان گرفتار ہوئے ہیں۔ دیگر مجرموں کو استثنیٰ حاصل ہے۔ ان وحشی لوگوں کے خلاف سخت کارروائی نہ ہونے کی وجہ سے وہ معصوم

1_ R.N.Karmakar, *Forensic Medicine and Toxicology* (Kolkata: Academic Publishers, 2010).
2_ Gauhar, "Honour Crimes in Pakistan," 75.

متاثرین، جن میں زیادہ تر خواتین ہوتی ہیں، پر حملہ کرنے کی جرات کرتے ہیں، کیوں کہ وہ جانتے ہیں کہ اس گھناؤنے جرم کے ارتکاب کے بعد انھیں کوئی سزا نہیں دی جائے گی۔)[1]

تیزاب گردی کے بڑھتے ہوئے واقعات کو روکنے کے لیے حکومت پاکستان نے The Criminal Law Amended Act 2011. پاس کیا۔ اس قانون نے تیزاب گردی کی روک تھام کے لیے قانونی اقدام فراہم کیا اور درج ذیل الفاظ میں اس جرم کی سزا متعین کی:

(ایک ایسا جرم جو ریاست کے خلاف ہے، اور جرم کے لیے سات سال سے عمر قید کی سزا کے ساتھ دس لاکھ پاکستانی روپے جرمانہ عائد کیا گیا۔)[2]

تیزاب گردی کو روکنے کے لیے اگرچہ حکومت نے بھرپور قانون سازی کی ہے لیکن اس جرم کے واقعات پورے ملک میں ہو رہے ہیں۔ اس جرم کو سماجی آگاہی سے روکا جا سکتا ہے جس کے لیے اساتذہ، علماء اور سماجی راہنماؤں کو مل کر جدوجہد کرنی ہوگی تاکہ لوگوں کے رویوں میں بہتری لا کر انہیں درست راستے کی طرف لایا جائے۔

۷۔ڈیجیٹل تشدد

(Digital Violence or Virtual Violence)

دور جدید میں ڈیجیٹل ٹیکنالوجی کی ترقی نے تشدد پسندی اور تشدد پھیلانے کے لیے نئے وسائل متعارف کروا دیے ہیں۔ دور حاضر میں تشدد کی ایک ابھرتی ہوئی نئی صورت ڈیجیٹل تشدد ہے۔ اس تشدد میں Sexual Harassment ...... اور Cyber bullying بھی شامل ہے۔ اس کے علاوہ ذاتی تصویروں اور ویڈیوز کو بغیر اجازت کے Online پھیلا دینا بھی ڈیجیٹل تشدد کے ضمن میں آتا ہے۔ لوگوں کے جعلی اکاؤنٹ بنا کر غلط خبریں پھیلانا بھی اسی جرم میں شامل ہے۔ لوگوں کے پروفائل سے ان کی تصاویر اٹھائی جاتی ہیں، پھر ان کے جعلی اکاؤنٹس بنائے جاتے ہیں اور انہیں غلط مقاصد کے لیے استعمال کیا جاتا ہے۔ ڈیجیٹل تشدد کا سب سے زیادہ شکار خواتین ہیں۔ ایک رپورٹ کے مطابق ۸۵ فیصد خواتین کو Online ہراسگی کا سامنا کرنا پڑتا ہے جبکہ ۴۰ فیصد خواتین کو ذاتی طور پر اس کا سامنا کرنا پڑا ہے۔ خواتین کے خلاف نفرت انگیزی، جھوٹے الزامات اور ان کی کردار کشی کے خواتین پر بہت سارے طویل المدت نفسیاتی جذباتی اور جسمانی اثرات مرتب ہوتے ہیں۔ ایک بین الاقوامی سروے کے مطابق 10 میں سے 9 یعنی ۹۲ فیصد خواتین نے بتایا کہ آن لائن تشدد نے ان کی ذہنی اور جسمانی نشوونما اور صحت کو متاثر کیا جبکہ ۳۵ فیصد خواتین کو اس تشدد کی وجہ سے ذہنی صحت کے

1– Hadi, "Patriarchy and Gender-Based Violence in Pakistan," 210.

2– "Criminal Law (Third Amendment) Act, 2011 (The Prevention of Anti Women Practices)" (The Gazette of Pakistan, December 28, 2011), No.F.24 (12)/2011-Legid.

مسائل کا سامنا کرنا پڑا۔ اس تشدد نے خواتین کی پیشہ ورانہ، اقتصادی اور سماجی صورت حال پر بھی منفی اثر ڈالا ہے۔ خاص طور پر وہ خواتین جو آن لائن ملازمتیں کرتی ہیں انہیں ڈیجیٹل دنیا میں ہراسگی اور تشدد کا زیادہ سامنا کرنا پڑتا ہے۔

خواتین اور لڑکیوں کا یہ حق ہے کہ وہ ہر جگہ اپنے آپ کو محفوظ سمجھیں۔ 16 نومبر سے 25 دسمبر 2010ء تک خواتین سے تشدد کے خاتمے کا دن قرار دیا ہے۔ اس وقت تمام لوگوں کو مل کر سوشل میڈیا کے ذریعے خواتین پر ہونے والے تشدد سے بچانا چاہیے۔ UNFPA خواتین کو Online تشدد سے بچانے کے لیے مہم چلا رہی ہے۔ اس مہم کا مقصد عوام الناس کو صنفی تشدد سے آگاہ کرنا اور اس حوالے سے بیدار کرنا ہے۔ یہ جدوجہد اس لیے کی جارہی ہے تاکہ خواتین کے حقوق کا تحفظ کیا جاسکے۔

۸۔ صنفی تشدد کا انسداد اسلامی تعلیمات کے تناظر میں

تاریخِ انسانی میں عورتوں کے حقوق سے متعلق ہمیشہ افراط و تفریط پر مبنی رویے تقریباً ہر سماج میں پائے گئے ہیں۔ پاکستان میں بھی یہی صورت حال ہے حالانکہ اسلامی تعلیمات کی روشنی میں تشکیل پانے والے اس معاشرے میں معتدل اور میانہ روی پر مشتمل رویّے ہی مناسب ہیں۔ اسلام نے مرد و زن کی انفرادیت کو برقرار رکھتے ہوئے ان کے درمیان تعلقات کو اس طرح استوار کیا ہے کہ نہ مردانہ قوامیت پر حرف آئے اور نہ ہی نسوانی آبگینوں پر خراش آئے۔ اسلامی تعلیمات مرد اور عورت کو ایک دوسرے کے حریف اور مدمقابل بنانے کی بجائے ایک دوسرے کے ممد و معاون بناتی ہیں۔ یہ تعلیمات نہ صرف جنس قوی اور جنس نازک کے تمام فطری تقاضوں کی رعایت کرتی ہیں بلکہ سماجی اخلاق کی تکمیل کا اہتمام بھی کرتی ہیں۔ مرد و زن کے نازک تعلقات کو اسوۂ رسول اللہ ﷺ نے مستحکم، محکم اور مربوط بنایا۔ چنانچہ مردوں کے شانہ بشانہ خواتین نے بھی پہلے اسلامی معاشرے کو بنانے اس کے استحکام، اس کے خاندانی نظام کی تشکیل اور اس کے دفاع میں تعلیمات نبوی کی روشنی میں حصہ لیا۔ سیرت نبوی کے مطالعہ سے پتہ چلتا ہے کہ اگر ایک طرف عورتیں گھر کو آباد کرتی تھیں، بچوں کی تعلیم و تربیت کرتی تھیں اور افراد خانہ کا خیال رکھتی تھیں تو دوسری طرف سماجی ذمہ داریوں کی ادائیگیوں سے بھی غافل نہ تھیں۔ عائلی امور کی انجام دہی کے ساتھ صدر اسلام کی خواتین تجارت بھی کرتی تھیں، تعلیم و تعلم کے فرائض بھی سرانجام دیتی تھیں، عبادت و خیرات بھی کرتی تھیں اور ضرورت کے وقت دفاع اسلام کے لیے مردوں کے شانہ بشانہ جنگی محاذ پر بھی خدمات سرانجام دیتی تھیں۔

آنحضور ﷺ نے دورِ جاہلیت کے سماج میں خواتین کے خلاف روا رکھے گئے سلوک میں اصلاح فرمائی۔ خواتین کے حقوق سلب کرنے والی سماجی روایات کو ختم کیا اور عائلی قوانین میں اصلاح فرما کر انہیں حق وراثت دیا۔ شادی بیاہ اور طلاق کے معاملات میں ان کے حقوق کا تحفظ کیا اور انہیں مردوں کے برابر سماجی حیثیت دے کر صنفی مساوات کی عملی مثال قائم کی۔

جب تک اسلامی تہذیب و تمدن ترقی کرتی رہی اسلامی حکومتیں اسلامی ریاست کے تمام باشندوں بشمول خواتین و حضرات کے حقوق کا تحفظ کرتی رہیں اور فرائض کی انجام دہی کی نگرانی کرتی رہیں لیکن اسلامی تہذیب و ثقافت کے زوال کے ساتھ

ہی مقامی رسم ورواج مسلم معاشروں پر غالب آ گئے اور خواتین کے حقوق سلب کرنے اور صنفی تشدد پر مشتمل رسم ورواج جن کو اسلام نے ختم کیا تھا پھر سے غالب آ گئے۔ نیز صنفی تشدد کے وہ رویے جو صریحاً اسلام کے خلاف ہیں پھر سے توانا ہو گئے۔ ایسے کئی رویے پاکستان میں بھی پائے جاتے ہیں۔

نام نہاد مذہبی اقدار کے نام پر قبل از اسلام کی جاہلی رسموں کو معاشرتی روایات کا درجہ دے کر خواتین کے حقوق کو سلب کرنے کا سلسلہ شروع ہو گیا۔ چنانچہ کہیں انہیں تعلیم سے منع کیا گیا تو کسی جگہ ان کے لیے عائلی زندگی کے حقوق ختم کر دیے گئے۔ ان کو جائیداد سے محروم کیا جانے لگا اور اس طرح خواتین کو پاکستانی مسلم معاشرے میں ان کے جائز مقام سے نہ صرف محروم کرنے کی کوششیں ہوئیں بلکہ پاکستان کی ترقی میں ان کے کردار کو بھی محدود کر دیا گیا۔ اس صورت حال کا تدارک بنیادی اسلامی تعلیمات کی طرف رجوع کر کے ہی کیا جا سکتا ہے۔ اسی ضرورت کو مد نظر رکھتے ہوئے صنفی تشدد کو روکنے سے متعلق اسلامی احکام ذیل میں پیش کیے جاتے ہیں۔

۸.۱۔ صنفی مساوات کا اسلامی تصور

جہاں تک زندگی کے معاشی اور معاشرتی پہلوؤں کا تعلق ہے تو اسلام کی رو سے ان میں مرد و عورت کا کردار ایک دوسرے کے مخالف نہیں بلکہ ایک دوسرے کے معاون و مددگار ہے۔ عورت کی بنیادی ذمہ داری گھریلو امور اور بچوں کی پرورش کی ہے۔ مگر اس کے فرائض گھریلو امور تک ہی محدود نہیں ہیں۔ جب کہ مرد کی بنیادی ذمہ داری خاندان کا تحفظ اور اس کے لیے معاشی وسائل فراہم کرنا ہے۔ تاہم قرآن پاک مرد کی طرح عورت کو بھی معاشی سرگرمیوں میں حصہ لینے سے نہیں روکتا۔

اسلام کے ابتدائی ایام سے ہی مسلمان معاشروں کے تعلیم و تربیت جیسے شعبہ جات میں خواتین نے ہمیشہ مردوں کی طرح نمایاں کام کیا۔ فقہ اسلامی کی رو سے مرد و عورت دونوں کو مکمل معاشی خود انحصاری حاصل ہے اور ایک خاتون بغیر کسی مداخلت کے جس طرح چاہے اپنے مال میں سے خرچ کر سکتی ہے۔ اسلام کی رو سے ایسا تعلق جو نکاح کے نتیجہ میں قائم ہو جائز اور پسندیدہ ہے۔ نکاح مرد و عورت کے درمیان ایسا معاہدہ ہے جو دونوں کی رضامندی اور خواہش پر ہی قائم ہوتا ہے اور اسی رضامندی پر اس کا وجود موقوف ہے۔

اسلام سے قبل کے عرب معاشرے میں عورتوں کے کوئی حقوق نہ تھے۔ ان کے والدین کی چھوڑی ہوئی وراثت میں ان کا مطلقاً کوئی حصہ نہ تھا۔ معاشرے میں ان کی حیثیت قابل فروخت چیزوں کی سی تھی۔ اسلام نے ان کے حقوق کا تعین کیا اور اعلان کر دیا کہ

﴿وَلَهُنَّ مِثْلُ الَّذِىْ عَلَيْهِنَّ بِالْمَعْرُوْفِ وَلِلرِّجَالِ عَلَيْهِنَّ دَرَجَةٌ وَاللّٰهُ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ﴾[1]

(اور عورتوں کا حق (مردوں پر) ویسا ہی ہے جیسے دستور کے مطابق (مردوں کا حق) عورتوں پر ہے۔ البتہ مردوں کو عورتوں پر فضیلت ہے۔ اور خدا غالب (اور) صاحب حکمت ہے۔)

معاشرے کی سماجی اور اقتصادی سرگرمیوں میں خواتین کی شرکت کو یقینی بنانے کے لیے قواعد وضوابط بنائے گئے۔ قرآن پاک میں مرد و عورت کی حیثیت برابر کی ہے جب کہ رسول اللہ ﷺ کی تعلیمات وہ اسوہ حسنہ ہے جس کے ذریعے سے معاشرتی ترقی میں عورت کے کردار کی نوعیت کا تعین کیا جا سکتا ہے۔ ہم دیکھ سکتے ہیں کہ دورِ رسالت کے اسلامی معاشرے میں خواتین مسجد نبوی میں مذہبی اور سماجی اجتماعات میں باقاعدگی سے شریک ہوتی تھیں۔ حضور ﷺ اہم فیصلوں میں خواتین سے مشورہ فرماتے تھے۔ خواتین مختلف حیثیتوں میں حکومت کے مددگار کی حیثیت سے کام کرتی تھیں۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ بعض معاملات میں خواتین کو استثنائی حیثیت حاصل ہے لیکن یہ استثنائی حیثیت خواتین کو کم تر ثابت کرنے کے لیے نہیں بلکہ ان کی عزت و آبرو، آزادی اور حقوق کے تحفظ کے لیے ہے۔

اسلام نے خواتین کو ملکیت وسائل خاص طور پر جائیداد کی ملکیت کا حق اسلامی ریاست کی تشکیل کے فوراً بعد دیا جب کہ یہ حق یورپ میں خواتین کو ماضی قریب تک میسر نہ تھا۔ انگلستان میں خواتین کو جائیداد میں ملکیت کا حق "شادی شدہ خواتین کے لیے پراپرٹی حق ایکٹ 1870" اور Married Women Property Act 1870 تک حاصل نہ تھا۔ جب کہ فقہ اسلامی کی رو سے مسلمان خواتین کو وراثت اور ملکیت کے حقوق ساتویں صدی عیسوی میں مل گئے تھے۔ انگلستان کی عورت اپنے والد یا اپنے شوہر کی ملکیت کی حیثیت رکھتی تھی۔ 1716 میں Lady Mary Wortley Montagu اپنے شوہر اور برطانوی سفیر کے ساتھ استنبول گئی تو اس کی حیرت کی انتہا نہ رہی جب اس نے وہاں کی اشرافیہ خواتین کو دیکھا کہ وہ نہ صرف بڑی بڑی جائیداد کی مالک ہیں بلکہ وہ انہیں مردوں کی مداخلت کے بغیر استعمال بھی کرتی ہیں۔ اس نے پردہ کو ایک ایسے وسیلے کے طور پر پایا جو عورتوں کو مردوں کی نگاہوں کا نشانہ بننے سے بچانے کا ذریعہ بنتا تھا۔ بلاشبہ آج کل اگرچہ بعض مسلم معاشروں میں خواتین کو ان کے وراثت کے حق سے محروم کیا جاتا ہے اور اخلاقی ضابطۂ حیات اس طرح پیش کیا جاتا ہے کہ مرد کی برتری ثابت ہو جائے مسلم معاشروں کی یہ حقیقت اسلامی تعلیمات سے مطابقت نہیں رکھتی۔

۸.۲- قرآنی نصوص میں صنفی مساوات

[1] سورۃ البقرہ:228۔

جب ہم اسلام کے مستند مصادر کو دیکھیں تو ان میں تخاطب کے لیے مرد و عورت کی برابری کے واضح دلائل موجود ہیں۔ یہودیت اور عیسائیت میں بائبل میں مذکر و مؤنث صیغوں کا مسئلہ دور حاضر میں ہی زیر بحث آیا ہے اس کا اثر جدید تراجم پر ہوا ہے جن میں مرد و خواتین دونوں پر بلا ضرورت مذکر کے صیغوں کے اطلاق کو زیر بحث لایا گیا ہے۔ جب کہ مذکر و مؤنث کے الگ الگ تخاطب کے صیغوں کا معاملہ ابتدائی اسلامی معاشرے میں ہی زیر بحث آیا۔ کئی خواتین صحابیاتؓ نے رسول اللہ ﷺ سے قرآنی آیات میں مذکر کے صیغے کے متعلق دریافت کیا اور پوچھا کہ اس تخاطب میں عورتیں بھی شامل ہیں یا نہیں۔ اگلی ہی وحی میں صحابیاتؓ کے اس سوال کا جواب آ گیا اور خواتین اور مردوں کو الگ الگ صیغوں سے مخاطب کر کے اس بات کی وضاحت کر دی کہ مرد و خواتین مذہبی زندگی میں برابر کے حصہ دار ہیں۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:۔

﴿اِنَّ الْمُسْلِمِیْنَ وَالْمُسْلِمٰتِ وَالْمُؤْمِنِیْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ وَالْقٰنِتِیْنَ وَالْقٰنِتٰتِ وَالصّٰدِقِیْنَ وَالصّٰدِقٰتِ وَالصّٰبِرِیْنَ وَالصّٰبِرٰتِ وَالْخٰشِعِیْنَ وَالْخٰشِعٰتِ وَالْمُتَصَدِّقِیْنَ وَالْمُتَصَدِّقٰتِ وَالصَّآئِمِیْنَ وَالصصصئمٰتِ وَالْحٰفِظِیْنَ فُرُوْجَهُمْ وَالْحٰفِظٰتِ وَالذّٰكِرِیْنَ اللّٰهَ كَثِیْرًا وَّالذّٰكِرٰتِ اَعَدَّ اللّٰهُ لَهُمْ مَّغْفِرَةً وَّاَجْرًا عَظِیْمًا﴾[1]

(جو لوگ خدا کے آگے سر اطاعت خم کرنے والے ہیں یعنی) مسلمان مرد اور مسلمان عورتیں اور مومن مرد اور مومن عورتیں اور فرماں بردار مرد اور فرماں بردار عورتیں اور راست باز مرد اور راست باز عورتیں اور صبر کرنے والے مرد اور صبر کرنے والی عورتیں اور فروتنی کرنے والے مرد اور فروتنی کرنے والی عورتیں اور خیرات کرنے والے مرد اور خیرات کرنے والی عورتیں اور روزے رکھنے والے مرد اور روزے رکھنے والی عورتیں اور اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کرنے والے مرد اور حفاظت کرنے والی عورتیں اور خدا کو کثرت سے یاد کرنے والے مرد اور کثرت سے یاد کرنے والی عورتیں۔ کچھ شک نہیں کہ ان کے لیے خدا نے بخشش اور اجر عظیم تیار کر رکھا ہے۔)

۸.۳- صنفی مساوات پر مبنی تعلیم سے متعلق اسلامی احکام

قرآن پاک ایک جامع اور کامل کتاب ہے۔ یہ کتاب انسان کی فطری ضروریات کی طرف توجہ مبذول کرواتی ہے۔ علم چونکہ انسان کی ایک فطری ضرورت ہے اس لیے اسی فطری ضرورت کے پیش نظر علم کے حصول پر جابجا زور دیا گیا ہے۔ قرآن پاک کے حصولِ علم سے متعلق متعدد دلائل میں سے چند دلائل حسبِ ذیل ہیں:

[1] سورۃ الاحزاب: 35۔

﴿وَمَا كَانَ الْمُؤْمِنُوْنَ لِيَنْفِرُوْا كَآفَّةً ۚ فَلَوْلَا نَفَرَ مِنْ كُلِّ فِرْقَةٍ مِّنْهُمْ طَآئِفَةٌ لِّيَتَفَقَّهُوْا فِي الدِّيْنِ وَلِيُنْذِرُوْا قَوْمَهُمْ اِذَا رَجَعُوْٓا اِلَيْهِمْ لَعَلَّهُمْ يَحْذَرُوْنَ﴾[1]

(اور یہ تو ہو نہیں سکتا کہ مومن سب کے سب نکل آئیں۔ تو یوں کیوں نہ کیا کہ ہر ایک جماعت میں سے چند اشخاص نکل جاتے تاکہ دین کا (علم سیکھتے اور اس) میں سمجھ پیدا کرتے اور جب اپنی قوم کی طرف واپس آتے تو ان کو ڈر سناتے تاکہ وہ حذر کرتے۔)

﴿ يَرْفَعِ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَالَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ دَرَجٰتٍ ۚ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ﴾[2]

(جو لوگ تم میں سے ایمان لائے ہیں اور جن کو علم عطا کیا گیا ہے خدا ان کے درجے بلند کرے گا۔ اور خدا تمہارے سب کاموں سے واقف ہے۔)

ان آیات سے واضح ہوتا ہے کہ مرد و عورت حصولِ علم کے حوالے سے یکساں اور برابر ہیں۔ صنف کی بنیاد پر اس حوالے سے کوئی فرق نہیں ہے۔ اور مرد و خواتین کے حقوق و فرائض برابر ہیں اور فرق بس پڑھے لکھے ہونے یا نہ ہونے کی بنیاد پر ہے۔ نیز اہلِ علم کی شہادت کو ملائکہ کے برابر قرار دیا گیا ہے۔ جیسا کہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:۔

﴿شَهِدَ اللّٰهُ اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۙ وَالْمَلٰٓئِكَةُ وَاُولُوا الْعِلْمِ قَآئِمًا بِالْقِسْطِ ۚ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ﴾[3]

(خدا تو اس بات کی گواہی دیتا ہے کہ اس کے سوا کوئی معبود نہیں اور فرشتے اور علم والے لوگ جو انصاف پر قائم ہیں وہ بھی (گواہی دیتے ہیں کہ) اس غالب حکمت والے کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں۔)

علم کی اہمیت اس بات سے بھی واضح ہوتی ہے کہ اسلام کی پہلی وحی میں حصول علم اور علم کو عام کرنے کا حکم دیا گیا ہے جیسا کہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

1۔ سورۃ التوبۃ:122۔
2۔ سورۃ المجادلۃ:11۔
3۔ سورۃ ال عمران:18۔

﴿اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّکَ الَّذِیْ خَلَقَۚ خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ عَلَقٍۚ اِقْرَاْ وَرَبُّکَ الْاَكْرَمُۙ الَّذِیْ عَلَّمَ بِالْقَلَمِۙ عَلَّمَ الْاِنْسَانَ مَا لَمْ یَعْلَمْ﴾[1]

((اے محمد ﷺ) اپنے پروردگار کا نام لے کر پڑھو جس نے (عالم کو) پیدا کیا۔ جس نے انسان کو خون کی پھٹکی سے بنایا۔ پڑھو اور تمہارا پروردگار بڑا کریم ہے۔ جس نے قلم کے ذریعے سے علم سکھایا ۔اور انسان کو وہ باتیں سکھائیں جس کا اس کو علم نہ تھا۔)

اللہ تعالیٰ قرآن پاک میں مزید فرماتے ہیں: ﴿قُلْ رَّبِّ زِدْنِیْ عِلْمًا﴾[2] (اور دعا کرو کہ میرے پروردگار مجھے اور زیادہ علم دے۔)

آیات قرآنی کی طرح سنتِ رسول ﷺ میں بھی ایسی متعدد روایات ملتی ہیں جن میں تعلیم کی اہمیت واضح ہوتی ہے جیسا کہ آپ ﷺ نے فرمایا: "فَمَن يُّرِدِ اللهُ بِهٖ خَيرًا يُفَقِهُ فِي الدِّينِ."[3] (جب اللہ تعالیٰ اپنے کسی بندے کے لیے بھلائی چاہتے ہیں تو اسے دین میں سوجھ بوجھ عطا فرماتے ہیں۔)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں انصار کی عورتیں کتنی اچھی ہیں کہ وہ دین کی مستند تعلیم حاصل کرنے میں ہچکچاتی نہیں ہیں۔[4]

حضرت ابو سعید الخذری رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ ہم نے سنا کہ کچھ خواتین نے حضور اکرم ﷺ سے درخواست کی کہ ان کے لیے تعلیم کا الگ وقت مقرر فرمادیں کیونکہ مرد آپ ﷺ کا زیادہ وقت حاصل کر لیتے ہیں۔[5]

آپ ﷺ نے مزید فرمایا: "جو مرد اپنی خادمہ کو بہتر تعلیم دے گا اسے اچھے آداب سکھائے گا تو وہ دوگنا اجر حاصل کرے گا۔"[6]

تاریخ اسلام امہات المؤمنین بالخصوص حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی اسلام کی ترویج و اشاعت میں خدمات کو نمایاں انداز میں پیش کرتی ہے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا حضور اکرم ﷺ سے اخذ کردہ دین کا مرکز و محور تھیں۔ آپ رضی اللہ عنہا کا علم وسیع تھا اور آپ رسول اللہ ﷺ سے مروی کثیر روایات کی حافظہ تھیں۔ عطا بن ابی ربیع کہتے ہیں: "حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا ایک عالمہ تھیں سب سے زیادہ علم والی اور بہترین مشورہ دینے والی تھیں۔"[7]

---

1 ۔ سورۃ العلق: 1-5۔

2 ۔ سورۃ طہ: 114۔

3 ۔ الترمذی، کتاب العلم، **باب اذا أراد الله بعبد خيراً فقهه في الدين**، حدیث نمبر: 2645، ص: 429۔

4 ۔ البخاری، صحیح البخاری، کتاب العلم باب الحیاء في العلم، ص: 50۔

5 ۔ البخاری، صحیح البخاری، کتاب العلم باب هل يجعل لنساء يوم على حدة في العلم، حدیث نمبر: 101، ص: 45۔

6 ۔ البخاری، صحیح البخاری، کتاب العلم باب تعلیم الرجل أمته و أهله، حدیث نمبر: 97، ص: 44

7 ۔ الحاکم، **المستدرک**، حدیث نمبر 6748، ص: 15/4؛ ابن عبد البر، **الإستیعاب**، ص: 1883/4

حضرت ابو موسیٰ الاشعری رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: "ہمیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث کے فہم میں جب کبھی کوئی مسئلہ ہوتا تو ہم اس کا علم حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس پاتے۔"[1]

امہات المومنین میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا علم سب سے زیادہ تھا اور آپ کا علم تمام خواتین کے علم سے زیادہ تھا۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خواتین صحابیات علمی سرگرمی میں بھرپور حصہ لیتی تھیں۔ شفاء بنت عبد اللہ رضی اللہ عنہا نے ام المومنین حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کو لکھنا سکھایا۔[2]

اسلامی تعلیمات کی رو سے سب انسان اللہ کے حضور برابر ہیں لیکن متقی اور علم والوں کی فضیلت ہے اور اہل علم مرد و خواتین کا مرتبہ تو عابدین سے بھی بڑھ کر ہے۔

۸.۴-گھریلو تشدد کو روکنے سے متعلق اسلامی تعلیمات

خواتین خصوصاً بیویوں کے خلاف تشدد مختلف ملکوں میں ایک ایسے سماجی مسئلے کے طور پر پہچانا جانے لگا ہے جو خواتین، بچوں اور خاندان کی فلاح، جسمانی تحفظ اور صحت کے لیے انتہائی نقصان دہ ہے۔ خواتین کے خلاف تشدد اسلام کی تعلیمات کے سراسر منافی ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے خواتین کے بارے میں مسلمانوں کو ہدایات فرمائی ہے کہ: "اسْتَوْصُوا بِالنِّسَاءِ خَيْرًا."[3] (میں آپ کو خواتین کے ساتھ شفقت کی ہدایت کرتا ہوں۔)

آپ نے مزید فرمایا: "خَيْرُكُمْ خَيْرُكُمْ لِأَهْلِهِ وَأَنَا خَيْرُكُمْ لِأَهْلِي."[4] (تم میں سے بہترین وہ ہے جو اپنے خاندان (بیوی) کے ہاں بہترین ہے اور میں تم میں سے اپنے اہل خانہ کے لیے بہترین ہوں۔)

قرآن پاک نے شوہروں کو بیویوں کے ساتھ نرمی اور محبت کی ہدایت کی ہے اگرچہ شوہر کا قلبی میلان اپنی بیوی کی طرف نہ بھی ہو۔[5] آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "اللہ کی بندیوں پر تشدد نہ کرو" کچھ خواتین نے میرے اہل خانہ کے پاس اپنے شوہروں کے رویوں کی تشدد کرنے کی شکایت کی ہے (ایسے شوہر) تم میں سے بہترین نہیں ہیں۔ کیا یہ قابل شرم بات نہیں ہے کہ تم میں سے کوئی اپنی بیوی پر ایسے تشدد کرے جیسے کوئی قواعد وضوابط کو نظر انداز کرتے ہوئے اپنے غلاموں اور ماتحتوں پر تشدد کرے اور پھر اس دن کے اختتام پر ان سے ہمبستری بھی کرے۔"[6] ایک اور حدیث میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "لَا

---

1 – الترمذی، جامع الترمذی، کتاب المناقب، باب فضل عائشة، حدیث نمبر: 3883، ص: 600۔

2 – ابوداؤد، سنن ابی داود، کتاب الطب، باب ماجاء في الرقی، ص: 426، حدیث نمبر: 3887۔

3 – مسلم بن حجاج، صحيح مسلم، كتاب الرضاع باب الوصية بالنساء، حديث نمبر :1468، ص :586-

4 – احمد بن حنبل، **المسند**، حديث نمبر 7095-

5 – سوره النساء: 129-

6 – الامام النووی، رياض الصالحين، ص: 140،137-

يَجْلِدُ أَحَدُكُمْ امْرَأَتَهُ جَلْدَ الْعَبْدِ ثُمَّ يُجَامِعُهَا فِي آخِرِ الْيَوْمِ."[1] (تم میں سے کیسے کوئی اپنی بیوی کی اس طرح پٹائی کرتا ہے جیسے وہ غلام کی پٹائی کرتا ہے اور پھر اس کے ساتھ سوتا بھی ہے۔)

قرآن پاک میں عورتوں کی تادیب کا ذکر ہوا ہے۔ علماء اور مفسرین کی آراء اس ضمن میں ایک دوسرے سے مختلف ہیں اور انہوں نے اپنے اپنے طور پر اس سوال کا جواب تلاش کرنے کی کوشش کی ہے کہ کیا اسلام شوہر کو یہ حق دیتا ہے کہ وہ اپنی بیوی کو مارے یا اسے ذہنی طور پر خوف زدہ کرے۔

پہلا جواب یہ ہے کہ اسلام شوہر کو اس بات کی اجازت نہیں دیتا کہ وہ اپنی بیوی پر جسمانی یا ذہنی سختی کرے۔ قرآن پاک نے خاندانی امور چلانے میں محبت اور شفقت کی ہدایت کی ہے اور ہر قسم کی سختی سے منع فرمایا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَمِنْ اٰيٰتِهٖٓ اَنْ خَلَقَ لَكُمْ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ اَزْوَاجًا لِّتَسْكُنُوْٓا اِلَيْهَا وَجَعَلَ بَيْنَكُمْ مَّوَدَّةً وَّرَحْمَةً ۭ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّتَفَكَّرُوْنَ﴾[2]

(اور اسی کے نشانات (اور تصرفات) میں سے ہے کہ اُس نے تمہارے لیے تمہاری ہی جنس کی عورتیں پیدا کیں تاکہ اُن کی طرف (مائل ہو کر) آرام حاصل کرو اور تم میں محبت اور مہربانی پیدا کر دی جو لوگ غور کرتے ہیں اُن کے لیے ان باتوں میں (بہت سی) نشانیاں ہیں۔)

﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا يَحِلُّ لَكُمْ اَنْ تَرِثُوا النِّسَاۗءَ كَرْهًا ۭ وَلَا تَعْضُلُوْھُنَّ لِتَذْهَبُوْا بِبَعْضِ مَآ اٰتَيْتُمُوْھُنَّ اِلَّآ اَنْ يَّاْتِيْنَ بِفَاحِشَةٍ مُّبَيِّنَةٍ ۚ وَعَاشِرُوْھُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ ۚ فَاِنْ كَرِھْتُمُوْھُنَّ فَعَسٰٓى اَنْ تَكْرَهُوْا شَـيْـــًٔـا وَّيَجْعَلَ اللّٰهُ فِيْهِ خَيْرًا كَثِيْرًا﴾[3]

(مومنو! تم کو جائز نہیں کہ زبردستی عورتوں کے وارث بن جاؤ۔ اور (دیکھنا) اس نیت سے کہ جو کچھ تم نے ان کو دیا ہے اس میں سے کچھ لے لو انہیں (گھروں میں) مت روک رکھنا ہاں اگر وہ کھلے طور پر بدکاری کی مرتکب ہوں اور ان کے ساتھ اچھی طرح رہو سہو اگر وہ تم کو ناپسند ہوں تو عجب نہیں کہ تم کسی چیز کو ناپسند کرو اور خدا اس میں بہت سی بھلائی پیدا کر دے۔)

آپ ﷺ نے فرمایا: "خَيْرُكُمْ خَيْرُكُمْ لِأَهْلِهِ وَ أَنَا خَيْرُكُمْ لِأَهْلِي"[1] (تم میں سے بہتر وہ ہے جو اپنے اہل خانہ کے

---

1 – البخاری: صحیح البخاری، كِتَاب النِّكَاحِ بَاب مَا يُكْرَهُ مِنْ ضَرْبِ النِّسَاءِ، حدیث نمبر :5204 ص:1031۔

2 – سورۃ الروم: 21۔

3 – سورۃ النساء: 19۔

نزدیک بہتر ہے اور میں تم میں سے اپنے اہل خانہ کے نزدیک سب سے بہتر ہوں۔)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ "مَا ضَرَبَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ شَيْئًا قَطُّ بِيَدِهِ وَلَا امْرَأَةً وَلَا خَادِمًا."[2] (آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی ملازم یا خاتون کو کبھی نہیں مارا بلکہ آپ نے کسی کو کبھی اپنے ہاتھ سے جسمانی تکلیف نہیں دی۔)

اگرچہ نشوز کی صورت میں مرد بیوی کی تادیب کر سکتا ہے۔ اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ نشوز کا کیا مفہوم ہے اور کیا نشوز کی صورت میں شوہر بیوی کو مارنے کا اختیار رکھتا ہے؟ کیا نشوز صرف عورتوں سے سرزد ہوتا ہے یا مرد بھی اس کے مرتکب ہوتے ہیں؟ قرآن پاک میں نشوز کا ذکر مردوں اور عورتوں دونوں کے لیے ہے۔ گویا کہ دونوں نشوز کے مرتکب ہو سکتے ہیں۔ عورتوں کے نشوز کے حوالے سے ارشاد ہے:

﴿اَلرِّجَالُ قَوّٰمُوْنَ عَلَى النِّسَاۗءِ بِمَا فَضَّلَ اللّٰهُ بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ وَّبِمَآ اَنْفَقُوْا مِنْ اَمْوَالِهِمْ ۭ فَالصّٰلِحٰتُ قٰنِتٰتٌ حٰفِظٰتٌ لِّلْغَيْبِ بِمَا حَفِظَ اللّٰهُ ۭ وَالّٰتِيْ تَخَافُوْنَ نُشُوْزَهُنَّ فَعِظُوْهُنَّ وَاهْجُرُوْهُنَّ فِي الْمَضَاجِعِ وَاضْرِبُوْهُنَّ ۚ فَاِنْ اَطَعْنَكُمْ فَلَا تَبْغُوْا عَلَيْهِنَّ سَبِيْلًا ۭ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلِيًّا كَبِيْرًا﴾[3]

(مرد عورتوں پر مسلط و حاکم ہیں اس لیے کہ خدا نے بعض کو بعض سے افضل بنایا ہے اور اس لیے بھی کہ مرد اپنا مال خرچ کرتے ہیں تو جو نیک بیبیاں ہیں وہ مردوں کے حکم پر چلتی ہیں اور ان کے پیٹھ پیچھے خدا کی حفاظت میں (مال و آبرو کی) خبرداری کرتی ہیں اور جن عورتوں کی نسبت تمہیں معلوم ہو کہ سرکشی (اور بدخوئی) کرنے لگی ہیں تو (پہلے) ان کو (زبانی) سمجھاؤ (اگر نہ سمجھیں تو) پھر ان کے ساتھ سونا ترک کر دو اگر اس پر بھی باز نہ آئیں تو زدوکوب کرو اور اگر فرمانبردار ہو جائیں تو پھر ان کو ایذا دینے کا کوئی بہانہ مت ڈھونڈو بے شک خدا سب سے اعلیٰ (اور) جلیل القدر ہے۔)

اس آیت میں عورتوں کے نشوز کا ذکر ہے۔ عورتوں کی طرح نشوز مردوں سے بھی ہو سکتا ہے۔ جیسے بیوی اپنے شوہر کی نافرمان ہو سکتی ہے اسی طرح شوہر بھی اپنی بیوی کے ساتھ معاملہ کرتے ہوئے زیادتی کرنے والا ہو سکتا ہے اور شرعی احکام

1۔ الترمذی، سنن الترمذي كِتَاب الْمَنَاقِبِ عَنْ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَاب فَضْلِ أَزْوَاجِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ الَيه وَسَلَّمَ، حدیث نمبر: 3895، ص:601۔

2۔ صحیح مسلم، كِتَاب الْفَضَائِلِ بَاب مُبَاعَدَتِهِ صَلَّى اللهُ عَلَيهِ وَسَلَّمَ لِلْآثَامِ وَاخْتِيَارِهِ مِنَ المبَاحِ أَسْهَلَهُ وَانْتِقَامِهِ لِلهِ عِنْدَ انْتِهَاكِ حُرُمَاتِهِ، حدیث نمبر: 2328، ص:951۔

3۔ سورۃ النساء:34۔

کی خلاف ورزی کرنے والا بھی ہو سکتا ہے اس ضمن میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَاِنِ امْرَاَةٌ خَافَتْ مِنْ بَعْلِهَا نُشُوْزًا اَوْ اِعْرَاضًا فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَآ اَنْ يُّصْلِحَا بَيْنَهُمَا صُلْحًا ۭ وَالصُّلْحُ خَيْرٌ ۭ وَاُحْضِرَتِ الْاَنْفُسُ الشُّحَّ ۭ وَاِنْ تُحْسِنُوْا وَتَتَّقُوْا فَاِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرًا ﴾[1]

(اور اگر کسی عورت کو اپنے خاوند کی طرف سے زیادتی یا بے رغبتی کا اندیشہ ہو تم میاں بیوی پر کچھ گناہ نہیں کہ آپس میں کسی قرارداد پر صلح کر لیں۔ اور صلح خوب (چیز) ہے اور طبیعتیں تو بخل کی طرف مائل ہوتی ہیں اور اگر تم نیکو کاری اور پرہیز گاری کرو گے تو خدا تمہارے سب کاموں سے واقف ہے۔)

ان آیات سے واضح ہوتا ہے کہ نشوز کا یہ مفہوم کہ یہ صرف عورت کی نافرمانی ہے درست نہیں ہے۔ سید قطب شہیدؒ لکھتے ہیں، نشوز سے مراد ازدواجی زندگی میں مداخلت اور غیر ہم آہنگی ہے یہ مداخلت زوجین میں سے کسی بھی طرف سے ہو سکتی ہے[2] اور اس کو حل کرنے کے لیے قرآن پاک میں درج ذیل اسلوب بیان کیا گیا ہے:

﴿وَاِنْ خِفْتُمْ شِقَاقَ بَيْنِهِمَا فَابْعَثُوْا حَكَمًا مِّنْ اَھْلِهٖ وَحَكَمًا مِّنْ اَھْلِهَا ۚ اِنْ يُّرِيْدَآ اِصْلَاحًا يُّوَفِّقِ اللّٰهُ بَيْنَهُمَا ۭ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلِيْمًا خَبِيْرًا﴾[3]

(اور اگر تم کو معلوم ہو کہ میاں بیوی میں ان بن ہے تو ایک منصف مرد کے خاندان میں سے اور ایک منصف عورت کے خاندان میں سے مقرر کرو وہ اگر صلح کرا دینی چاہیں گے تو خدا ان میں موافقت پیدا کر دے گا کچھ شک نہیں کہ خدا سب کچھ جانتا اور سب باتوں سے خبر دار ہے۔)

جیسا کہ پہلے روایت کیا جا چکا ہے کہ حضور ﷺ نے کبھی بھی اپنی ازواج مطہراتؓ کو کوئی تکلیف نہیں دی بلکہ آپ ﷺ اپنی بیویوں سے محبت، نرمی اور ان کے کاموں میں ہاتھ بٹانے والے کی حیثیت سے مثال اور نمونے کی حیثیت رکھتے ہیں۔ حضور ﷺ کی ازواج مطہرات کا تعلق مختلف تہذیبی پس منظروں سے تھا لیکن ایسی کوئی روایت نہیں ہے کہ آپ کا کبھی

1- سورۃ النساء: 128۔
2- سید قطب شہیدؒ، **فی ظلال القرآن**، ص: 2/57۔
3- سورۃ النساء: 35۔

صبر کا پیمانہ لبریز ہو گیا ہو اور آپ نے ان کو کوئی تکلیف دی ہو۔ آپ ﷺ نے ان کے ساتھ احترام، وقار اور عزت کا برتاؤ کیا بلکہ آپ ﷺ کا اسوۂ حسنہ ہی میاں بیوی کے درمیان تعلقات میں نمونۂ عمل ہے۔

عدم تشدد کی اسلامی تعلیمات کے باوجود بعض مرد عورتوں پر تشدد کرتے ہیں۔ عورتوں پر صرف مرد ہی نہیں بلکہ بعض صورتوں میں عورتیں بھی تشدد کرتی ہیں۔ کئی عورتیں مردوں کو اپنی بیوی پر تشدد کے لیے ابھارتی ہیں۔ عورتوں پر تشدد سیرت طیبہ کی صریحاً خلاف ورزی ہے۔ اس لیے اس تشدد کو روکنا ضروری ہے۔

اپنے ایمان کو مضبوط کر کے، اللہ کے احکام، اس کے رسول ﷺ اور صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے گھروں کی مثالوں کو یاد کر کے گھریلو تشدد کو روکا جا سکتا ہے۔ شادی سے پہلے کی تعلیم و تربیت مستقبل کے لیے خوشگوار عدم تشدد پر مشتمل عائلی زندگی کا باعث بن سکتی ہے۔ غصے پر قابو پانا، اظہار خیال کے مواقع کی فراہمی، جذبات پر کنٹرول، فیصلے کرنے کی صلاحیت اور مشکلات کو حل کرنے کی صلاحتیں ایسی خوبیاں ہیں جو گھریلو تشدد کو روکنے میں بہت اہم کردار ادا کر سکتی ہیں۔ مسلمان علماء کو چاہیے کہ ان امور پر گفتگو کریں تاکہ گھریلو تشدد کو روکا جا سکے۔

بطور قائد و راہنما، سماجی لیڈر، بھائی، بہنیں ہمیں گھریلو تشدد کو برداشت نہیں کرنا چاہیے۔ سماجی برائی اس وقت تک حل نہیں ہو سکتی جب تک ہم سب مل کر اسے نہیں روکیں گے۔ ہمیں زوجین کے تشدد کی وجوہات کو پہچاننا ہو گا اور اس کو روکنے کے لیے مل کر کام کرنا ہو گا۔ ہمیں چاہیے کہ ایسے لوگ جو گھریلو تشدد کی تاریخ رکھتے ہیں ان کی شادی ان کی مناسب تربیت ہونے تک روکنے میں اپنا کردار ادا کریں۔

۸.۵۔ بچیوں کو زندہ درگور ہونے سے بچانے اور خواتین کی جان کے تحفظ کے بارے میں اسلامی احکام

جان کا تحفظ بنیادی انسانی حق ہے۔ اس حق کا تحفظ نہ صرف الہامی تعلیمات میں ہے بلکہ بین الاقوامی اعلامیے اور قومی دساتیر بھی اسی بنیادی انسانی حق کی حفاظت کرتے آ رہے ہیں۔ اسلامی تعلیمات کے مطابق نہ صرف یہ بنیادی انسانی حق ہے بلکہ یہ ایک مقدس ذمہ داری بھی ہے کیوں کہ قرآن پاک میں اس حوالے سے واضح ارشاد خداوندی ہے:

﴿قُلْ تَعَالَوْا اَتْلُ مَا حَرَّمَ رَبُّكُمْ عَلَيْكُمْ اَلَّا تُشْرِكُوْا بِهٖ شَيْئًا وَّبِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًاۚ وَلَا تَقْتُلُوْٓا اَوْلَادَكُمْ مِّنْ اِمْلَاقٍۗ نَحْنُ نَرْزُقُكُمْ وَاِيَّاهُمْۚ وَلَا تَقْرَبُوا الْفَوَاحِشَ مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَمَا بَطَنَۚ وَلَا تَقْتُلُوا النَّفْسَ الَّتِيْ حَرَّمَ اللّٰهُ اِلَّا بِالْحَقِّۗ ذٰلِكُمْ وَصّٰىكُمْ بِهٖ لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ﴾[1]

معروف اسلامی اسکالر محترمہ عزیزہ الحربی خواتین کے جان کے تحفظ کے حق کے بارے میں کہتی ہیں:

---

[1] الانعام: ۱۵۱۔

The life of a woman has the same value as that of a man. Islam made killing women a crime equal to that of killing men.[1]

(ایک عورت کی زندگی کی قدر و قیمت اتنی ہی ہے، جتنی کہ مرد کی۔ اسلام نے عورت کو قتل کرنے کا جرم مرد کے قتل کے مساوی قرار دیا ہے۔)

نوزائیدہ بچوں کو پیدائش سے پہلے یا پھر پیدائش کے فوراً بعد قتل کر دینا بنیادی انسانی حقوق کی سنگین خلاف ورزی ہے۔ بد قسمتی سے دور حاضر میں بھی یہ خلاف ورزی آبادی کنٹرول کرنے کے ایک طریقے کے طور پر موجود ہے۔ تحقیق نے یہ ثابت کیا ہے کہ دور حاضر میں بھی کئی معاشروں میں آبادی کو منضبط کرنے کے لیے اس جرم کا ارتکاب کیا جاتا ہے۔[2] حالانکہ اس جرم کے انسانی سماجوں پر سنگین اثرات مرتب ہوتے ہیں۔ نوازئیدہ بچوں کے قتل کی کئی صورتیں معاصر سماجوں میں موجود ہیں۔ اس حوالے سے ایک رپورٹ کے مطابق بچیوں کو زندہ در گور کرنے والی معاصر صورتیں حسب ذیل ہیں:

(آبادی کی تعداد میں عمومی کمی (بشمول جڑواں بچوں کو ختم کرنا)، عیب دار بچوں کا خاتمہ، سماجی 'ناجائز بچوں' کا خاتمہ (یعنی وہ اولاد جن کا وجود سماجی حد بندیوں کی خلاف ورزی کرتا ہے)، نرسنگ مدر کے نقصان پر رد عمل، انحصار کے تناسب پر کنٹرول، جنسی تعلقات میں ہیرا پھیری تناسب، اور، آخر میں، دوسرے طریقوں کے لیے بیک اسٹاپ کے طور پر استعمال جب وہ ناکام ہو جائیں۔)[3]

بعض جاہلی عرب قبائل قبل از اسلام بچیوں کو زندہ در گور کرتے تھے۔ یہ رواج شمالی عرب قبائل کے ہاں خاص طور پر معروف تھا۔ اس درندگی کا سبب غربت اور نام نہاد غیرت تھی۔ اس صورت میں بعض قبائل ایسے بھی تھے جو ان بچوں کو جنھیں زندہ در گور کیے جانے کا خطرہ تھا خرید بھی لیتے تھے۔ ان قبائل میں صعصعۃ بن ناجیہ بن عقال اور زید بن عمرو بن نفیل معروف تھے۔ بچوں کو زندہ در گور کرنے کی روایت عموماً بچیوں کے لیے تھی لیکن بعض قبائل بھوک کے ڈر سے لڑکوں کو بھی زندہ نہیں چھوڑتے تھے۔ بچیوں کو زندہ در گور کرنے والے قبائل سمجھتے تھے کہ ان کی بچیوں کو جنگوں میں قیدی بنالیا جائے گا یا پھر لونڈی بنالیا جائے گا تو اس بنا پر بنو تمیم، ربواہا اور بنو کندہ جیسے قبائل غیرت کی بنا پر اپنی بچیوں کو پیدائش کے

1– Azizah al-Hibri, "A Study of Islamic Herstory: Or How Did We Ever Get into This Mess?" in *Women and Islam* (n.p.: Pergamon Press, 1982), 212.

2– Gurjeet K. Gill, "Female Feticide as a Contemporary Cultural Practice in the Punjab," *Dialectical Anthropology* 23, no. 2 (1998): 203-13; Giladi, "Some Observations on Infanticide in Medieval Muslim Society."

3– Mildred Dickeman, "Demographic Consequences of Infanticide in Man," *Annual Review of Ecology and Systematics* 6 (1975): 116.

فوراً بعد یا پھر بچپن میں ہی زندہ در گور کرتے تھے۔[1] بد قسمتی سے بچی کی پیدائش کو خاندان کے لیے عار سمجھا جاتا تھا اور نام نہاد خاندانی وقار کی خاطر بچیوں کو زندہ دفن کر دیا جاتا تھا۔ ان ناپسندیدہ رویوں کے بارے میں قرآن پاک میں ارشاد ہے:

﴿وَاِذَا بُشِّرَ اَحَدُهُمْ بِالْاُنْثٰى ظَلَّ وَجْهُهٗ مُسْوَدًّا وَّهُوَ كَظِيْمٌ يَتَوَارٰى مِنَ الْقَوْمِ مِنْ سُوْۗءِ مَا بُشِّرَ بِهٖ ۭ اَيُمْسِكُهٗ عَلٰي هُوْنٍ اَمْ يَدُسُّهٗ فِي التُّرَابِ ۭ اَلَا سَاۗءَ مَا يَحْكُمُوْنَ﴾[2]

(حالانکہ جب ان میں سے کسی کو بیٹی (کے پیدا ہونے) کی خبر ملتی ہے تو اس کا منہ (غم کے سبب) کالا پڑ جاتا ہے اور (اس کے دل کو دیکھو تو) وہ اندوہناک ہو جاتا ہے اور اس خبر بد سے (جو وہ سنتا ہے) لوگوں سے چھپتا پھرتا ہے (اور سوچتا ہے) کہ آیا ذلت برداشت کر کے لڑکی کو زندہ رہنے دے یا زمین میں گاڑ دے۔ دیکھو یہ جو تجویز کرتے ہیں بہت بری ہے۔)

اور ایک دوسری آیت میں ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿وَاِذَا الْمَوْءٗدَةُ سُئِلَتْ بِاَيِّ ذَنْۢبٍ قُتِلَتْ﴾[3] (اور جب زندہ دفن کی ہوئی لڑکی سے پوچھا جائے گا کہ وہ کس گناہ کے باعث قتل کی گئی تھی۔)

مزید فرمان الٰہی ہے: ﴿ نَحْنُ نَرْزُقُكُمْ وَاِيَّاهُمْ ۚ وَلَا تَقْرَبُوا الْفَوَاحِشَ مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَمَا بَطَنَ ۚ وَلَا تَقْتُلُوا النَّفْسَ الَّتِيْ حَرَّمَ اللّٰهُ اِلَّا بِالْحَقِّ ﴾[4] (اور ناداری (کے اندیشے) سے اپنی اولاد کو قتل نہ کرنا کیونکہ تم کو اور ان کو ہم ہی رزق دیتے ہیں اور بے حیائی کے کام ظاہر ہوں یا پوشیدہ ان کے پاس نہ پھٹکنا اور کسی جان (والے) کو جس کے قتل کو خدا نے حرام کر دیا ہے قتل نہ کرنا۔)

رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے: "إِنَّ دِمَاءَكُمْ وَأَمْوَالَكُمْ وَأَعْرَاضَكُمْ بَيْنَكُمْ حَرَامٌ كَحُرْمَةِ يَوْمِكُمْ هَذَا فِي شَهْرِكُمْ هَذَا فِي بَلَدِكُمْ هَذَا."[5] (بے شک تمہارے خون، تمہارے مال اور تمہاری عزتیں اسی طرح حرام ہیں جیسا کہ آج کے دن، اس مہینے اور اس شہر کی حرمت ہے۔)

1– Al-Hibri, "A Study of Islamic Herstory," 209.

2– سورۃ النحل: 58-59۔

3– سورۃ التکویر: 8-9۔

4– سورہ الانعام: 151۔

5– البخاری، صحیح البخاري، كِتَاب الْعِلْمِ بَاب قَوْلِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رُبَّ مُبَلَّغٍ أَوْعَى مِنْ سَامِعٍ، حدیث نمبر: 67، ص: 38۔

براء بن عازب رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے: "أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَزَوَالُ الدُّنْيَا أَهْوَنُ عَلَى اللَّهِ مِنْ قَتْلِ مُؤْمِنٍ بِغَيْرِ حَقٍّ."[1](رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کسی مومن کو ناحق قتل کرنے کے مقابلے میں پوری دنیا کا زوال اللہ کے سامنے بہت ہلکا ہے۔)

ان آیات اور احادیث سے واضح ہوتا ہے کہ مرد، خواتین اور بچیوں کی جان شریعت میں بہت محترم ہے اور اسلامی معاشرے کے تمام افراد بشمول خواتین اور نوزائیدہ بچیوں کی جان کا تحفظ حکومت کی بنیادی ذمہ داری ہے اور حکومت کو اس ضمن میں کسی تساہل سے کام نہیں لینا چاہیے۔

٨.٦- خواتین کے دینی اور سماجی حقوق کے تحفظ میں حکومت کی ذمہ داری

شرعی احکام پر عمل کرتے ہوئے خواتین مساجد میں جانے کے حق سمیت تمام قسم کی سماجی سرگرمیوں میں حصہ لے سکتی ہیں۔ وہ وعظ و نصیحت، جائز سماجی تقریبات اور شادی بیاہ کی تقریبات میں شرکت کر سکتی ہیں۔ اس ضمن میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "إِذَا اسْتَأْذَنَكُمْ نِسَاؤُكُمْ إِلَى الْمَسْجِدِ فَأْذَنُوا لَهُنَّ."[2] اگر تمہاری بیویاں مساجد میں جانے کی اجازت طلب کریں تو انہیں اجازت دے دو۔ حضرت عائشہ صدیقہؓ سے روایت ہے کہ جس وقت حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم فجر کی نماز ادا فرما لیتے تھے اس وقت عورتیں چادروں میں لپٹی ہوئی مسجد سے اپنے گھروں کو لوٹتی تھیں۔[3]

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خواتین کو نماز کے لیے مسجد میں آنے کی اجازت فرمائی اور خواتین کے لیے مسجد میں الگ جگہ اور علیحدہ مستقل دروازہ متعین فرمایا جیسا کہ عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کی روایت کردہ حدیث میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"لو ترکنا هذا الباب للنساء."[4](اگر یہ دروازہ ہم عورتوں کے لیے خاص چھوڑ دیں تو اچھا ہو۔)

پھر اس دروازے سے ابن عمر زندگی بھر داخل نہ ہوئے۔ اسی طرح کا حکم حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے بھی مروی ہے کہ انہوں نے مسجد نبوی کا ایک دروازہ عورتوں کے لیے مخصوص فرمایا[5] اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ عورتوں کے دروازے سے مردوں کو داخل ہونے سے روکتے تھے۔[6]

1– ابن ماجه، سنن ابن ماجه، كِتَاب الدِّيَاتِ بَاب التَّغْلِيظِ فِي قَتْلِ مُسْلِمٍ ظُلْمًا، حدیث نمبر: 2619، ص:285۔

2– مسلم بن حجاج، صحیح مسلم، کتاب الصلاة، باب خروج النساء الی المساجد، حدیث نمبر 442، ص:187۔

3– البخاري، صحيح البخاري، كتاب الأذان، باب انتظار الناس قيام الإمام العالم، حدیث نمبر: 867۔

4– ابو داؤد، سنن أبي داود، کتاب الصلاة، باب اعتزال النساء فی المساجد عن الرجال، حدیث نمبر: 458۔

5– مرجع سابق، حدیث نمبر 459۔

6– مرجع سابق، حدیث نمبر 460

عون المعبود میں ہے کہ اس بارے میں اختلاف ہے کہ کیا یہ دروازہ رسول اللہ ﷺ نے مخصوص فرمایا لہذا یہ حکم مرفوع ہوا یا عمر رضی اللہ عنہ نے مخصوص کیا تو یہ حکم موقوف ہوا۔ راجح یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ حکم مرفوع اور موقوف دونوں طرح ثابت ہے۔[1] آج بھی مسجد نبوی کا یہ دروازہ (باب النساء) کے نام سے موسوم ہے۔

ان روایات سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ خواتین کو عبادات اور مذہبی تقریبات میں شرکت کا حق حاصل ہے۔ اس لیے یہ حکومت کی ذمہ داری ہے کہ وہ مساجد میں ایسے حالات پیدا کریں جن میں مردوں کی طرح خواتین بھی عبادات میں شریک ہو سکیں۔ بد قسمتی سے پاکستان میں اکثر مساجد میں خواتین کے لیے نماز کی علیحدہ جگہ نہیں ہے جب کہ مردوں کی طرح خواتین کو بھی مساجد میں نماز کی ادائیگی کا حق ہے اور اس ضمن میں مناسب ماحول بنانے کی ضرورت ہے۔

۸.۷۔ مسلم معاشروں میں خواجہ سراؤں کی حیثیت

تاریخی شواہد سے پتا چلتا ہے کہ مختلف مسلم معاشروں میں خواجہ سراؤں کو مختلف سماجی، ریاستی اور سیاسی ذمہ داریاں سونپی گئیں۔ وہ آرمی شعبۂ تعلیم، پروٹوکول اور شاہی دربار میں مختلف ذمہ داریاں سرانجام دیتے رہے۔ مملوک دور حکومت (۱۲۱۵ء–۱۵۱۷ء) میں خواجہ سرا فوج میں ذمہ داریاں ادا کرتے تھے۔ وہ نہ صرف افواج کی بھرتی میں کردار ادا کرتے تھے بلکہ بعد میں ان کو مسلح تربیت بھی دیتے تھے۔[2] مملوک سلطانوں کی طرح عثمانی ترکوں کے دور میں بھی خواجہ سراؤں کا اہم کردار تھا۔ اس حوالے سے کہا جاتا ہے۔

> (عثمانی شاہی خاندان نے خواجہ سراؤں کو پیدا کیا جو بنیادی طور پر غلاموں کی شکل میں اسلامی ڈومین کے باہر سے درآمد کیے گئے تھے، جنہیں سیاہ فام خواجہ سراؤں کے زمرے میں رکھا گیا تھا، جو حرم میں اہل کاروں کی خدمت کرتے تھے۔ عثمانی دربار کی اہم شخصیات میں سے ایک چیف سیاہ فام خواجہ سرا تھا۔)[3]

خواجہ سرا توپ کاپی محل کے حرم میں عثمانی سلطانوں کے اہل خانہ کے لیے خدمات سرانجام دیتے تھے۔ ان کو سیاہ خواجہ سرا اور سفید خواجہ سراؤں میں تقسیم کیا جاتا تھا۔ سیاہ خواجہ سرا مصر سے دریائے نیل کے کنارے سے لائے جاتے تھے جبکہ

1– العظیم آبادی، **عون المعبود**، ص: ۲/130-132

2– David Ayalon, *Eunuchs, Caliphs and Sultans: A Study in Power Relationships* (Jerusalem: Magnes Press, The Hebrew University, 1999); David Ayalon, "On the Term 'Khādim' in the Sense of " Eunuch " in the Early Muslim Sources," *Arabica* 32, no. 3 (1985): 289–308.

3– Colin Blakemore and Sheila Jennett, "The Oxford Companion to the Body," in *The Oxford Companion to the Body* (Oxford University Press, 2001).

سفید خواجہ سرا بلقان کی ریاستوں سے لائے جاتے تھے جبکہ یہ شاہی دربار میں خدمات سرانجام دیتے تھے۔(1)
اسلامی سلطنت میں وسعت کی وجہ سے خواجہ سراؤں کے کردار میں بھی تبدیلی آئی کبھی ان کی حیثیت آزاد باشندوں کی رہی اور کبھی غلاموں کی سی۔(2) خواجہ سراؤں کو انتہائی حساس اور ذاتی قسم کی ذمہ داریاں اس لیے سونپی جاتی تھی کیونکہ یہ ریاست اور اپنے رئیس کے وفادار ہوتے تھے۔(3)
برصغیر میں دور قدیم سے ہی خواجہ سراؤں کے مختلف کرداروں کا ذکر موجود ہے۔(4) مغلیہ دور میں انھیں شاہی محلات میں اہم ذمہ داریاں سونپی جاتی تھیں۔ ان کے سربراہ کو خواجہ سرا کا ٹائٹل بھی اسی دور میں دیا گیا۔(5) مغلیہ دور میں ہزاروں خواجہ سراؤں کی خدمات حاصل کی جاتی تھیں اور وہ بادشاہوں اور ان کے اہل خانہ کی خدمت کرتے تھے۔ وہ پہرہ دار، رازدار، سفراء اور محافظوں کی ذمہ داریاں بھی ادا کرتے تھے۔ ۱۸۵۷ء کے بعد جب برصغیر میں برطانوی استعماری حکومت آئی تو ان کا دور عروج ختم ہو گیا۔ انھیں سماجی طور پر ادنیٰ قرار دے دیا گیا۔ اس ضمن میں کہا گیا۔ (ہیجڑوں کے پاس نقد رقم اور زمینوں کی گرانٹ کے ذریعے عوامی محصولات پر دعوے تھے اور بظاہر ان کے پاس بھیک مانگنے کا قانونی حق تھا۔)
PPC186 میں خواجہ سراؤں کے متعلق کہا گیا ہے کہ

> ("فحش فعل اور گانے" جرم کے طور پر ان کے غیر اخلاقی رویے اور زندگی گزارنے کے ذرائع کی وجہ سے۔)(6)

۱۸۷۰ء کے بعد برصغیر میں برطانوی حکومت نے کئی قانونی اصلاحات کیں۔ ان اصلاحات کے ذریعے خواجہ سراؤں کو Criminal Tribes میں شامل کر دیا گیا۔(7) اس قانون سازی کے ذریعے ان کی پوری برادری کو جرائم پیشہ قرار دے دیا گیا۔ نیز ان پر کئی پابندیاں بھی لگا دی گئیں۔(8) اس حوالے سے ایک اور قانون سازی کے ذریعے انھیں سماجی طور

1– Abdulhamit Arvas, "Early Modern Eunuchs and the Transing of Gender and Race," *Journal for Early Modern Cultural Studies* 19, no. 4 (2019): 116–36.

2– Gayatri Reddy, *With Respect to Sex: Negotiating Hijra Identity in South Asia* (London: University of Chicago Press, 2005), 22

3– Piotr O. Scholz, *Eunuchs and Castrati: A Cultural History* (Markus Wiener Publishers, 2001).

4– See: John Fryer, *ANew Account of East India and Persia: Being Nine Years Travels", 1672-1681*, vol. 2, William Crooke ed., (London: The Hakluyt Society, 1909),52.

5– See: "E. J. Brill's First Encyclopedia of Islam", Ed. M. Th. Houtsman, Vol. 4 (Leiden: E.J Brill, 1993), 865.

6– Laurence W. Preston, 'A Right to Exist: Eunuchs and the State in Nineteenth-Century India', in *Modern Asian Studies*, 21(1987),372.

7– "The Criminal Tribe Act 1871," Pub. L. No. Act No. XXVII of 1871, Governor General of India (n.d.), Part II article 24..

8– K. M. Kapadia, "The Criminal Tribes of India," *Sociological Bulletin* 1, no. 2 (1952): 99–125; Jessica Hinchy, "Conjugality, Colonialism and the 'Criminal Tribes' in North India,"

پر نا قابل قبول اخلاق کی حامل برادری قرار دیے دیا گیا۔(1) قیام پاکستان کے بعد اعلیٰ عدالتوں نے مداخلت کی اور انھیں دوسرے انسانوں کے برابر قانونی حیثیت دی۔ ان کو اپنی شناخت، تعلیم، صحت اور ملازمت جیسے حقوق میں مرد وزن کے برابر قرار دیا گیا۔ ضرورت اس بات کی ہے کہ ان کے متعلق عمومی سماجی رویوں کو تبدیل کیا جائے اور انھیں بھی مرد وزن کی طرح انسان سمجھ کر ان سے قابل احترام سماجی برتاؤ کیا جائے۔

خاتمہ

اس مقالے میں صنفی تشدد کی ان انواع کا انسدادی مطالعہ کیا گیا ہے جو پاکستان میں موجود تھے۔ صنفی تشدد کی ان صورتوں کا سبب سماجی رویے ہیں۔ ان غلط سماجی رویوں کو اسلامی تعلیمات کی روشنی میں ہی بہتر بنایا جاسکتا ہے اس لیے اسلامی تعلیمات کے تناظر میں پاکستان میں صنفی تشدد کی مختلف انواع کو کم کرنے یا ختم کرنے کے لیے لائحہ عمل قرآن و سنت کی روشنی میں اس مقالے میں پیش کرنے کی کوشش کی گئی ہے نیز یہ بھی بتایا گیا ہے کہ کس طرح اسلامی تعلیمات کی وجہ سے دور جہالت سے بچوں کے خلاف روا رکھے گے سلوک کو ختم کرنے میں مدد ملی۔ پاکستانی تناظر میں اس تنقیدی مطالعہ سے یہ بات واضح ہو گئی کہ دینی تعلیمات صنفی تشدد کی روک تھام کے لیے اہم ذریعے کی حیثیت رکھتی ہے۔ ضرورت اس بات کی ہے کہ پاکستان کے دستور و قانون اور دینی تعلیمات کے مطابق پاکستان میں کمزور انسانی اصناف خاص طور پر بچوں اور عورتوں کو سماجی اور اقتصادی انصاف فراہم کیا جائے۔ صنفی برابری اور مساوات کے حوالے سے اسلامی تعلیمات بہت واضح ہیں ان تعلیمات پر عمل کر کے پاکستانی سماج کی تشکیل جدید کی جاسکتی ہے۔

صنفی تشدد کو کم کرنے کے ناکافی نظام قومی اور صوبائی سطح پر کام کر رہے ہیں۔ اسی طرح سول سوسائٹی اور کئی دوسری کیمونیٹیز کی طرف سے اس معاملہ پر غلط فہمیاں بھی صنفی تشدد کو جامع طور پر ختم کرنے کی راہ میں ایک بڑی رکاوٹ ہے۔ حفاظتی میکانزم اور سماجی ڈھانچہ کی توڑ پھوڑ نے سماجی روایات اور سماجی رویوں کو صنفی تشدد کے حوالے سے کمزور کر دیا ہے۔ وسائل اور ضروریات کی تقسیم میں مردوں کی برتری نے بھی خواتین کے لیے نقصان دہ صورت حال پیدا کر دی ہے۔ سرکاری سطح پر ایک مضبوط رویہ خواتین اور بچوں کی رائے کو فیصلہ سازی میں نظر انداز کرنے کا بھی پایا جاتا ہے۔

جنوبی ایشیا میں صنفی تشدد کی ایک صورت غیرت کے نام پر قتل ہے، یہ قتل اس لیے کیا جاتا ہے کہ اس کے ذریعے خاندان کی عزت کو بچانا مقصود ہوتا ہے۔ اس قتل میں خاندان اپنی ہی خاتون کو، جس کے کسی دوسرے سے تعلقات کا شبہ ہو یا وہ خاندان کی رضامندی کے بغیر کسی سے شادی کرلے، قتل کر دیتا ہے۔ عزت کے نام پر قتل کی ایک صورت وہ قتل بھی ہے

Studies in History 36, no. 1 (February 1, 2020): 20–46, https://doi.org/10.1177/0257643019900103.

1_ Dramatic Performances Act, 1876," Pub. L. No. XIX of 1876 (1876); Gayatri Reddy, *With Respect to Sex: Negotiating Hijra Identity in South Asia* (London: University of Chicago Press, 2005),26.

جو شوہر اپنی بیوی پر بے وفائی کا الزام لگا کر کر دیتا ہے۔ صنفی تشدد کی مختلف صورتوں پر موجود اعداد و شمار سے پتہ چلتا ہے کہ خواتین کے خلاف اغوا اور اغواء برائے تاوان جیسے جرائم کیے جاتے ہیں۔ اس طرح عورتوں کو بدلہ لینے، انتقام لینے، جنسی ہراسگی اور تاوان کے لیے بھی جرائم کا نشانہ بنایا جاتا ہے۔ عورتوں کی شادی کے حوالے سے اپنا فیصلہ کرنے کے حق پر پابندیاں بھی اسی ضمن میں ہیں۔ [1] اس بات کی مستند گواہی موجود ہے، تشدد کے کیسز کی رپورٹنگ نہیں کی جاتی ہے۔ بہت سارے واقعات میں خاص طور پر گھریلو تشدد کے اکثر مقدمات میں رپورٹنگ نہیں کی جاتی۔ پاکستان کے مردانہ معاشرے میں گھریلو تشدد کو خاندانوں، برادریوں اور انفرادی سطح پر تشدد سمجھا ہی نہیں جاتا ہے۔

اس ضمن میں اس مطالعہ سے واضح ہوا کہ موجودہ صنفی امتیازات پر مبنی قانون سازی پر نظر ثانی کی بھی ضرورت ہے۔ وہ روایتی رواج اور سماجی ضابطے جو خواتین کے خلاف جرائم کو جواز دیتے ہیں انہیں ختم کرنے کی ضرورت ہے۔ سرکاری اہلکاروں اور نفاذ قانون کی ایجنسیوں کے ذمے داران کی صنفی تشدد کے حوالے سے ورک شاپوں، کانفرنسز اور کورسز کے ذریعے تربیت کی ضرورت ہے تاکہ انہیں صنفی حساسیت اور صنفی جرائم سے آگاہ کیا جاسکے۔ یونیورسٹیوں اور سول سوسائٹی کو صنفی حساسیت اور صنفی عدل پر مبنی تعلیمی پروگراموں کے ذریعے کمیونٹی کی تربیت کرنی چاہیے اور اس ضمن میں مذہبی راہنماؤں کی مدد لینے کی ضرورت ہے تاکہ اسلامی تعلیمات کی روشنی میں وہ صنفی رویوں کو درست کرنے میں اپنا کردار ادا کر سکیں۔

1_ Wassan, Channa, and Shah, "Violence against Women in Pakistan: Causes, Consequences and the Way Forward," 2021, 57.